جامع الشواهد

فی

دخول غیر المسلم فی المساجد

از

مولانا ابوالکلام آزاد

تقدیم و تدوین

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

جامع الشواہد
فی
دخول غیر المسلم فی المساجد

مولانا ابوالکلام آزاد

تقدیم و تدوین
ڈاکٹر ابوسلمان سندھی (شاہجہان پوری)

ناشر
مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پاکستان
کراچی

کتاب کا نام	:	جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد
مصنف	:	مولانا ابو الکلام آزادؒ
مرتب	:	ڈاکٹر ابو سلمان سندھی (شاہجہان پوری)
ناشر	:	مولانا ابو الکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان ـ کراچی
طابع	:	المحزن پرنٹرز، پاکستان چوک ۔ کراچی ۷۴۲۰۰ ـ پاکستان
اشاعت سوم	:	۱۹۹۶ء
قیمت	:	.... روپے

ملنے کے پتے

(۱)

مکتبہ ء شاہد

۹/۱، علی گڑھ کالونی، کراچی ۷۵۸۰۰

(۲)

مکتبہ ء شریفیہ

عائشہ منزل، نزد مسجد مقدس، اردو بازار

کراچی ۷۴۲۰۰

فہرست فصول و مطالب

مصنفہ مولانا آزاد مرحوم

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

جامع الشواهد

فی

دخول غیر المسلم فی المساجد

جسمین

ادلۂ شرعیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانون کے اذن سے غیر مسلم کا مسجدون مین داخل ہونا جائز ہے، اور مساجد کی مجالس مین اُن کو شریک کیا جاسکتا ہے۔ ضمناً حقوق و آداب مساجد اور آیۂ کریمہ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، الخ" کی تفسیر، اور بعض دیگر مباحث مہمہ بھی آگئے ہین،

از "ابوالکلام"

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ مین چھپا

جامع الشواہد --- اشاعت ۱۹۱۹۔ کا سرورق

انتساب

محترم مسیح الحسن (دہلی) کے نام

جو

البیرونی اور جغرافیہ عالم

(۱۹۸۰ء)

حواشی ابوالکلام آزاد

(۱۹۸۸ء)

اور

جامع الشواہد

فی دخول غیر المسلم فی المساجد

(۱۹۹۳ء)

کی ترتیب وتدوین میں سبقت لے گئے۔

انھیں ان کاموں کے زیادہ اچھے مواقع حاصل ہوئے اور انھوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

ابوالکلام آزاد کا ایک دور افتادہ

عقیدت کیش

ابوسلمان

تقدیم:

جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد

چند خیالات

مذہبی حیثیت سے خلافت کا مسئلہ ایک خالص اسلامی مسئلہ تھا، لیکن خلافت صرف ایک عقیدہ ہی نہ تھا۔ خلافت کے نام سے شمال مغربی ایشیا میں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت بھی قائم تھی جو یورپ تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب اس کی آزادی اور اقتدار کے لیے خطرہ پیدا ہوا تو یہ ایک خالص سیاسی مسئلہ تھا، جس سے دنیا کی کوئی انصاف پسند اور حریت پرست قوم بے نیاز نہیں رہ سکتی تھی۔ تحریکِ خلافت میں ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلم برادران وطن کے اشتراک و اتحاد کی بنیاد یہی تھی۔

۱.... مسلمانوں کے سامنے مسئلے کی مذہبی نوعیت کے ساتھ اس کا سیاسی پہلو تھا اور

۲.... غیر مسلم برادران وطن کا نقطہ۔ نظر صرف سیاسی تھا۔

ہندوستان کی غلامی اور ترکی کی آزادی اور اس کی حاکمیت کے خلاف سازش کا تعلق ایک ہی عالمی قوت "برٹش استعمار" سے تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے رہنما، جنھیں اپنے وطن کی آزادی کی تحریک میں عالمی رائے عامہ اور آزاد ممالک کی تائید و حمایت کی ضرورت تھی، آزاد ترکی کے حدود اور اقتدار کے خلاف برٹش استعمار کی سازشوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتے تھے۔

اس صورتِ حال کا ناگزیز تقاضا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اور غیر مسلمان

کوئی مشترکہ سیاسی پروگرام بنائیں اور ہندوستان کی متحدہ قوت کو برٹش استعمار کے خلاف صف آرا کر دیں۔ مرکزی خلافت کمیٹی کے اغراض و مقاصد میں ترکی کے حدود و اقتدار اور مقامات مقدسہ کے تحفظ کے ساتھ ہندوستان کے لیے سوراج کا حصول وقت کے اسی ناگزیر تقاضے کا لازمہ تھا(۱)۔

یہ مشترکہ سیاسی پروگرام اور قومی اتحاد خلافت ترکی کے حدود مملکت اور حاکمیتِ اعلیٰ کے تحفظ اور ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے لیے جتنا ضروری تھا، برٹش استعمار کے لیے اس کے نقطہ نظر سے انتہائی خطرناک اور تباہ کن تھا۔ ان حالات نے ہندوستان کے سیاسی میدان میں ایک کشمکش پیدا کر دی تھی۔

۱۔ خلافت اور ہندوستان کی آزادی کے رہنماؤں کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہر قیمت پر فرقہ وارانہ اتحاد برقرار اور مشترکہ سیاسی جدوجہد جاری رکھیں اور برٹش استعمار پر کاری ضرب لگانے کا کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیں۔ اس صورتِ حال نے بہت سے ایسے برادران وطن کو بھی خلافت اور سوراج کی مشترکہ جدوجہد میں شامل کر دیا تھا جو زندگی اور مستقبل میں ہندوستان کے سیاسی نظام کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر اور احیائی ذہن رکھتے تھے۔

۲۔ برٹش استعمار کے لیے نہایت ضروری تھا کہ وہ ہر قیمت پر اس پروگرام کو ناکام بنائے اور فرقہ وارانہ اتحاد کو پارہ پارہ کر دے، اس لیے کہ ہندوستان کا یہ فرقہ وارانہ اتحاد برٹش استعمار کے لیے پیغام موت کا حکم رکھتا تھا۔

مولانا آزاد کے اس رسالے کی تالیف کا پس منظر ۱۹۱۹ء کی یہی سیاسی صورتِ حال تھی۔ ترکی خلافت اور ممالک اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر برٹش استعمار کو شکست دینے کے لیے اسلام کا کوئی حکم مانع نہ تھا کہ مسلمان اپنے برادران وطن کے ساتھ مل کر اس عظیم الشان مقصد کو حاصل کریں۔ مسلمانوں کے لیے کوئی قید نہ تھی کہ غیر

مسلم اداروں میں جائیں اور برٹش استعمار کے خلاف قومی اتحاد کی دعوت دیں اور نہ غیر مسلم برادران وطن کی راہ میں کوئی مانع تھا کہ انھیں کسی اسلامی مدرسے، خانقاہ یا مسجد میں بلایا جائے تو وہ نہ آئیں۔ اسلامی شریعت کا کوئی حکم اس میں رکاوٹ نہ تھا کہ وہ ترکی خلافت کے اقتدار اور حدود مملکت کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو اپنی زبانی اور عملی ہمدردی اور حمایت کا یقین دلائیں تو مسلمان ان کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیں اور مسلمانوں کی دعوت پر کسی مسجد کے صحن میں بنے ہوئے چبوترے (مکبّر) پر کھڑے ہو کر تقریر نہ کریں۔

سوامی شردھانند کا دہلی کی جامع مسجد میں آنا اور تقریر کرنا ترکی خلافت کی حمایت میں اسی سلسلہ جدوجہد کی ایک کڑی تھی اور ہرگز قابل اعتراض بات نہ تھی، نہ یہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف کوئی امر تھا۔ قابل اعتراض بات تھی تو برٹش استعمار کے لیے اور خلاف امر تھا تو برٹش حکومت کے استعماری مفادات و مقاصد کے لیے۔ چناں چہ وہ تمام حضرات جو برٹش حکومت ہی کے زیر سایہ اپنے اغراض کو محفوظ سمجھتے تھے یا خلافت کے عقیدے پر ایمان ہی نہ رکھتے تھے اور اس لیے انھیں خلافت کے نام پر کسی ادارے کا وجود گوارا ہی نہ تھا، وہ ضرور اس فعل کو غیر شرعی، اسلامی احکام میں مداخلت، شرعیہ۔ اسلامیہ کی سخت خلاف ورزی اور مسجد کی بے حرمتی کا اندوہ ناک واقعہ ثابت کرنے پر مستعد ہو گئے۔ حالاں کہ اسی ہندوستان میں بیسیوں احکام قطعیہ۔ اسلامیہ کے خلاف نئے قانون بنائے گئے تھے۔ اسلام کی بخشی ہوئی آزادی کو چھین لیا گیا تھا، اسلامی اوقاف پر قبضہ کر کے انھیں وقف کے مصارف کے خلاف اور غیر مسلموں تک کے لیے استعمال کیا جارہا تھا۔ دسیوں مسجدوں کو ڈھا دیا گیا تھا، تالے ڈال دیے گئے تھے اور نیلام کر دی گئی تھیں۔

دہلی کی یہی جامع مسجد جس کی بے حرمتی کے تذکروں سے اخبارات کے صفحے

سیاہ ہو رہے تھے اور جلسوں میں فلک شگاف نعرے بلند ہو رہے تھے اور جوش و جذبات کا ایک طوفان تھا جو امنڈا چلا آرہا تھا اور رکنے میں نہ آتا تھا۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے وقت سے ایک مدت تک انگریزوں کے قبضے میں رہی تھی۔ اس کے بلند میناروں سے اذان کی صدائیں سننے کے لیے مسلمانوں کے کان ترس گئے تھے، نماز کی ادائیگی حکماً بند کر دی گئی تھی، مسجد کو فوجیوں کی قیام گاہ میں تبدیل اور اس کے صحن کو غلاظت سے آلودہ کر دیا گیا تھا اور وہ فرش اور محراب و منبر جہاں بادشاہان وقت ادب سے قدم رکھتے تھے انگریزوں کی عورتیں عریاں ساق و سینہ کے ساتھ بے محابا پھرتیں، بچے اچھلتے اور ملکی و غیر ملکی سیاح جوتے پہنے ہوئے نماز کے اوقات کی پروا کیے بغیر دندناتے پھرتے تھے۔ مسجد کے تقدس اور عبادت گاہ کے احترام کا کسی کو لحاظ نہ تھا۔ ستمبر ۱۸۵۷ء سے نومبر ۱۸۶۲ء میں مسجد کی واگذاری تک یہی صورتِ حال رہی تھی اور وقت کے کسی عالم و مفتی کو اس کی بے حرمتی اور تقدس کی پامالی کا خیال نہ آیا تھا۔ مسجد کی واگذاری کے بعد بھی مسجد کو کسی وقت بھی بند کر دینے کا حق سرکار انگریزی کے پاس تھا۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی مرحوم نے مسجد کی ضبطی کے تاریخی واقعے اور پھر اس کی واگذاری کے بعد کی کچھ سرکاری ہدایات بیان کی ہیں۔ یہ احکام ۲۴۔ نومبر ۱۸۶۲ء کو مسجد کی واگذاری کے بعد نافذ کیے گئے تھے۔ ان کی کچھ تفصیل یہ ہے؛

ستمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے دہلی فتح کر لی اور جامع مسجد کو اپنے لشکر کی فرودگاہ بنایا۔ چند روز کے بعد مسجد کو سپاہ سے خالی کر دیا، مگر مسلمانوں کے لیے اس کے دروازے بند کر دیے۔ نہ ان کو نماز پڑھنے دی، نہ ان کو اس کے اندر جانے دیا۔ ۱۹۶۲ء میں جامع مسجد دہلی واگذاشت ہوئی۔ دس مہتمم مقرر کر کے ان سے سرکار نے حسبِ ذیل اقرار نامہ لکھوالیا:

"ہم اشخاص مندرجہ ذیل جو باتفاق ہم دگر مہتمم جامع مسجد قرار پائے ہیں، ساتھ کمال شکر گذاری سرکار ابد پایدار، بخوشی ورضا ورغبت اقرار کرتے ہیں؛

۱... یہ کہ ہم لوگ ذمہ دار ہیں کہ کچھ دنگا وفساد مسجد میں نہ ہونے پائے گا۔

۲... کوئی امر شورش کا اندرون مسجد کے موجب تحقیر واہانت یا بدخواہی سرکار نہ ہونے پائے گا۔ اگر اتفاقاً کوئی بات وقوع میں آئے اور ہمارے تدارک واختیار سے باہر ہو، اس کی اطلاع بحضور ڈپٹی کمشنر بہادر کریں گے۔

۳... اقرار کرتے ہیں کہ اگر خلافِ مرضی سرکار کوئی امر ظہور میں آئے تو سرکار کو اختیار ہے کہ وہ مسجد کا دروازہ بند کر دے۔"

اس اقرار نامے کے بعد چند اہم باتیں مرتب کر کے مسجد کے دروازے پر آویزاں کر دی گئیں۔ ان میں سے چند خاص یہ ہیں؛

"۱... نماز پڑھنے کے بعد سب آدمی مسجد سے باہر چلے جائیں۔

۲... کوئی شخص رات کو مسجد میں نہ رہے، سوائے موذن اور امام مسجد کے۔

۳... قوم ہندو مسجد کے اندر جاویں، کچھ مزاحمت نہیں، مگر ادب سے جاویں۔

۴... افسران صاحب سول و ملٹری و دیگر صاحبان انگریز کو اجازت اندر جانے کی ہے۔ کچھ جوتا اتارنے کی احتیاج نہیں ہے (۲)۔

۵... گورا لوگ فوج کے اندر نہ جانے پاویں گے، بلا پاس افسر کمان یا صاحب ضلع کے۔

۶... دو دو سنتری دو دروازے پر متعین رہیں گے، بطرف جنوب و شمال۔ ان کی تنخواہ ذمہ مہتممان مسجد کے ہوگی (۳)۔"

سوامی شردھانند تو مسلمانوں کی اجازت ہی نہیں، ان کی دعوت پر مسجد میں گئے تھے اور ان کے قدم ہرگز مکبّر سے آگے نہ بڑھے تھے، لیکن ان قواعد کے رو سے تو وہ کسی کی اجازت کے بغیر ہی جا سکتے تھے اور صحن سے لے کر محراب و منبر تک مٹرگشت

کرتے تو انھیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔وقت کی یہ بھی کتنی بڑی ستم ظریفی تھی کہ جن ڈپٹی کمشنر بہادر کے حکم سے ہندوؤں کے لیے مسجد میں داخلے کا دروازہ کھولا گیا تھا، انھیں صاحب بہادر کی خوشنودی کے لیے کچھ مسلمان ان کے داخلہ مسجد پر نکتہ چیں تھے اور مسلمانوں کی بے بسی ملاحظہ ہو کہ جب وہ چاہتے تھے کہ مسجد کو تمام غیر مسلموں کے قدموں کی آمد و رفت سے محفوظ کر دیا جائے تو ڈپٹی کمشنر بہادر کے حکم سے مسلمان مجبور تھے اور جب کہ اسلامی مفادات نے مسجد میں ان کے آنے کی ضرورت پیدا کر دی تھی تو ان کی خوشنودی کے لیے ہندوؤں پر دروازے بند کیے جا رہے تھے۔

یہ شرائط یا ہدایات ۳۱۔دسمبر ۱۸۹۹ء تک جاری رہیں۔لارڈ کرزن کے زمانے میں ان شرائط میں کچھ نرمی کر دی گئی اور یکم جنوری ۱۹۰۰ء سے نئی شرائط کا اجرا عمل میں آ گیا۔مثلاً:

"اب کوئی شخص منتظمہ کمیٹی کی اجازت سے رات کو قیام کر سکتا تھا۔یا جو اہل یورپ مسجد دیکھنے کے لیے جائیں وہ اپنے جوتوں پر غلاف چڑھا لیں، سپاہیان اہل یورپ کو کمان افسر یا دفتر بریگیڈیر کے پاس کے بغیر مسجد میں جانے کی اجازت نہ تھی۔اسی طرح کسی باشندہ۔ایشیا کو ڈپٹی کمشنر بہادر یا منتظم کمیٹی کے پاس کے بغیر مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔مسجد کے اندر کرسیاں اور پنچ بیٹھنے کے لیے لے جا سکتے تھے، مگر منتظم کمیٹی کی اجازت سے۔مسجد میں نماز کے سوا کسی مذہبی بحث و مباحثہ اور وعظ کی بھی مسجد کی منتظم کمیٹی کی اجازت کے بغیر ممانعت تھی۔شمالی اور جنوبی دروازے پر دو سپاہی حسبِ سابق تعینات رہیں گے۔"

یہ ہدایات منتظم کمیٹی جامع مسجد کی طرف سے جاری کی گئیں تھی، لیکن "صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع دہلی" کے دستخط سے۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ درحقیقت "حکم" کس کا تھا؟

مسجد کے معاملات و انتظامات میں انگریز سرکار کے عمل و دخل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ستمبر ۱۸۵۷ء میں مسجد پر قبضے کے بعد رمضان میں سحر کے وقت ڈھول بجنا جو بند ہوا تھا، وہ ۱۸۶۲ء میں مسجد کی واگذاری کے بعد بھی بند ہی رہا۔ یہ انگریز بہادر کا حکم تھا۔ اس سے قلعے میں مقیم سپاہیوں اور دوسرے انگریزی حکام کی نیند میں خلل پڑتا تھا۔ اگر وفاداران ازلی، ابنائے عہد اور اطاعت گذاران وقت کو یہ گوارا نہ ہو کہ انگریز بہادر کو اس کے لیے الزام دیا جائے تو وہ بہ خوشی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ عمل ان کے ذوق اطاعتِ شعاری و کمال خوشامد پسندی کی یادگار ہے اور اس لیے ہے کہ آئندہ کوئی مورخ سرکار دولت مدار وابد آباد پر بے جا انگشت نمائی و حرف زنی نہ کر سکے۔ اس "ترک" کے لیے جو توجیہ بیان کی گئی ہے اس سے تو یہی آخری بات ثابت ہوتی ہے۔ مولوی ذکاءاللہ مرحوم لکھتے ہیں:

> "غدر سے پہلے ماہ رمضان میں پچھلے پہر سے ایک مشرقی دالان میں ڈھول بجا کرتا تھا جو سحری کھانے کے لیے مسلمانوں کو جگاتا تھا۔ اس کے تین ڈنکے بجتے تھے، مگر اب اس کا بجنا اس سبب سے بند ہو گیا کہ قلعے میں گوروں کی چھاؤنی تھی۔ ڈھول کی آواز ان کے خوابِ راحت میں خلل ڈالتی تھی۔ اس کا سبب کوئی مذہبی نہ تھا جس سے مسلمان ناراض ہوں، بلکہ تہذیب تھی جس کے سبب سے روشنی اور ہوا سب کے آدمی مالک برابر ہیں۔ ہر شخص کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ روشنی و ہوا میں اگر کسی حرکت کے پیدا ہونے سے ان کو تکلیف پہنچے تو وہ عدالت میں نالش دائر کر کے اس کو بند کرا سکتا ہے۔ یہ زمانہ حال کی تہذیب کا ایجاد ہے۔ پہلے روشنی اور ہوا کے سبب سے عدالت میں ایسی نالشیں نہیں دائر ہوتی تھی۔ ہوا کے مالک ہونے میں مسلمان اور گورے برابر تھے۔ اس لیے مسلمان اپنے ڈھونسے کی دھوں دھوں سے گوروں کی نیند میں خلل نہیں ڈال سکتے تھے۔ اس بات کو مذہب کے منصب سے کوئی تعلق نہیں تھا(۴)۔"

اکتوبر ۱۸۸۶ء میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔دسہرے کا تہوار عشرہ۔ محرم میں آیا۔ اس موقع پر دہلی میں ہندو مسلم فساد ہو گیا۔انگریز نے بیچ بچاؤ کرایا۔مزید فساد کو بڑھنے سے روکنے کے لیے پولس تعینات کی گئی۔اس کے اخراجات تنخواہ والاؤنس نیز بہ طور جرمانہ ہر مکان پر اس کی مالیت کے مطابق زر تاوان مقرر ہوا۔اس بات پر کسی کو تعجب اور انگریزی اصول انصاف سے کسی کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ ان مکانات میں مسجد بھی تھی اور وہ چوں کہ سب سے قیمتی اور زیادہ مالیت کی عمارت تھی اس لیے اس پر سب سے زیادہ، یعنی سات ہزار روپے جرمانہ ہوا، جو مسجد کے فنڈ سے ادا کیا گیا (۵)۔ اس فیصلے نے ثابت کر دیا کہ مسجد بھی مثل دیگر امکنہ کے ایک مکان محض ہے، اس کی مذہبی حیثیت کچھ نہیں۔ پھر کیا اس وقت کوئی مفتی آگے بڑھا تھا کہ مسجد کا اہل و مالک کوئی شخص نہیں جس پر فساد میں حصہ لینے کا شبہ ہو اور مسجد کا فنڈ ایک وقف ہے، جو اپنے خاص مصارف کے علاوہ کسی اہل شہر کی سزا کے جرمانے اور کسی نقصان کے زر تاوان کی ادائیگی میں خرچ نہیں کیا جا سکتا؟

اب تک اگرچہ تاریخ کے کئی ورق الٹ چکے تھے، قافلہ۔آزادی اپنی کتنی منزلیں طے کر چکا تھا، جمنا کے پانی کے کتنے ہی ریلے دہلی سے گزر چکے تھے جنھیں لوٹایا نہیں جا سکتا تھا، لیکن چوں کہ بندگان خداوند نعمتِ عالی کے لیے وفاداری اور اطاعت شعاری کا کوئی موسم نہیں ہوتا، وہ ۱۸۶۲ء ہو یا ۱۹۰۰ء ہو یا ۱۹۱۹ء، جب بھی وہ وقت آیا اور دیکھا کہ خداوند انگریز کی کمال اطاعت شعاری پر حرف آتا ہے تو کتنے مفتی اور عالم تھے جو ملک کے کونوں کھدروں سے اپنے اپنے فتوے اور کتب فقہ واصول کے حوالے لے کر نکل آئے اور اپنے شبنمی افکار سے انگریز کے خلاف ملک کے غضب و اشتعال کے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے میں مصروفِ خدمت ہو گئے۔

ابھی مسجد کی داستان الم ختم کہاں ہوئی! چشم عالم نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ۲۷۔

نومبر ۱۸۶۲ء کو اس مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر حکومت کے ایک اہل کار نے اسے نیلام کر دیا اور یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اسے میرٹھ کے ایک مسلمان رئیس شیخ الٰہی بخش نے خرید کر وقف کر دیا۔ حالاں کہ برادران وطن کا کوئی فرد بھی اسے خرید کر اپنی ضرورت یا ذوق کے مطابق استعمال کر سکتا تھا۔ اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ برادران وطن کی شرافت تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کی بولی سے بڑھ کر بولی نہ لگائی تھی (۶)۔

دہلی کی جامع مسجد پر حکومت کے قبضے اور اس کی بے حرمتی کا یہ کوئی تنہا واقعہ نہ تھا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات پیش آئے تھے۔ آگرہ کی جامع مسجد کے ساتھ بھی قبضہ و تالا بندی کا واقعہ پیش آیا تھا۔ خطباتِ سرسید کے مرتب نے جامع مسجد آگرہ کی واگذاری پر سرسید کے تاثرات پیش کیے ہیں۔ وہ اس پر اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں:

"۱۸۵۷ء کا خونی واقعہ انگریز کی نظر میں اتنا قابل تعزیر تھا کہ اس نے نہ صرف مسلمانوں کے سیکڑوں خاندانوں کو تباہ کر دیا، نہ صرف ان کی عالی شان عمارتوں کو مسمار کر دیا، بلکہ ان کی تمام نمایاں عبادت گاہوں کو بھی ضبط کر لیا نہ ان میں کوئی داخل ہو سکتا تھا، نہ وہاں نماز پڑھ سکتا تھا۔ مسجدوں میں تالے پڑے ہوئے تھا اور ان کے دروازوں پر فوجی پہرہ تھا، لیکن ہنگامہ ختم ہونے کے بعد جب مسلمانوں نے چیخ و پکار کی کہ ہم نمازیں کہاں پڑھیں اور خدا کی عبادت کہاں کریں تو اتنی تباہی و بربادی کے بعد ملکی مصلحت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ مسلمانوں کو ان کی مساجد واپس دے دی جائیں۔ جامع مسجد آگرہ بھی انھیں مساجد میں سے ایک تھی۔

جب اس کی واگذاری کے احکام جاری ہوئے اور مسجد مسلمانوں کو مل گئی تو اس مسجد میں شکر گذاری کا ایک جلسہ ہوا۔ سرسید بھی اس جلسے میں شریک تھے اور انھوں نے بھی ایک تقریر کی تھی (۷)۔"

۱۹۱۹ء میں پنجاب کے مارشل لا کے زمانے میں لاہور کی بادشاہی مسجد اور لاہور، امرتسر، سیال کوٹ، گوجرانوالہ وغیرہ کئی شہروں میں مساجد کو حکومت نے اپنے قبضے میں لے کر، ان میں تالے ڈال دیے تھے اور کسی مسلمان کو ان میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ برٹش حکومت نے مسلمانوں سے مساجد میں اللہ کی کبریائی کا اعلان کرنے اور اس کی عبادت کرنے کا حق چھین لیا تھا۔ ان واقعات کو دیکھنے کے لیے تو نہ تاریخ کے مطالعے کی ضرورت تھی، نہ بصیرت کی۔ ہر عالم و مفتی اپنے مدرسہ و خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنے سر کی آنکھوں سے یہ حالات دیکھ لے سکتا تھا اور کیا اہل ہند نے یہ واقعہ فراموش کر دیا کہ اب ۱۹۹۶ء میں بھی مسجد شہید گنج یا گوردوارہ شہید گنج (لاہور) پر اسی استعمار کے حکم سے جو تالا پڑا تھا، پڑا ہوا ہے؟ اگر وہ مسجد ہے تو مسلمانوں کو اور گوردوارہ ہے تو سکھوں کو اس میں عبادت کرنے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ یہ ملک کی آزادی کے انچاسویں برس میں انھیں استعماری قوانین کا تسلسل ہے(۸)۔

اس وقت (۱۹۱۹ء میں) مسجد کی بے حرمتی اور اسلامی شریعت میں مداخلت کے نام پر جو ہنگامہ برپا کیا گیا تھا، کیا واقعی یہ سب کچھ مسجد کے احترام میں ہو رہا تھا؟ کیا اس وقت کوئی مسلمان نہ تھا؟ کیا کسی عالم و مفتی کو اس وقت اسلامی شریعت کا یہ حکم معلوم نہ تھا یا ان کی اسلامی حمیت سو گئی تھی؟

اب جوں ہی ہندو مسلم اتحاد سے برٹش استعمار کو خطرہ لاحق ہوا، انھیں اسلامی شریعت کا حکم بھی یاد آگیا اور ان کی اسلامی حمیت بھی جاگ اٹھی۔

ان کے نزدیک یہ جائز تھا کہ انگریز اور ان کی عورتیں اور بچے جوتے پہن کر مسجد میں اچھلتے کودتے پھریں اور تفریح کریں، لیکن وہ کسی برادر وطن کو یہ اجازت

دینے کے لیے تیار نہ تھے کہ وہ نہا دھو کر، جوتے اتار کر، مسجد کا احترام لازم سمجھتے ہوئے، مسلمانوں کی دعوت پر، اسلامی مفادات اور مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ کے لیے تقریر کرنے کے لیے بھی آئے!

درحقیقت انھیں اس سے غرض نہ تھی کہ مسجد کی بے حرمتی ہوئی تھی یا کوئی برادر وطن مسجد میں آیا تھا، ان کے دل پر یہ بات زیادہ شاق گزری تھی کہ ٹرکی خلافت کی حمایت میں اور برٹش حکومت کے خلاف مسجد میں تقریر کی گئی تھی۔

موجبِ حیرت اور قابل اعتراض بات یہ نہ تھی کہ ایک سوامی مسجد میں آیا تھا! یہ تاریخ اسلام کا کوئی پہلا واقعہ نہ تھا، جس پر ماتم کیا جارہا تھا۔ افسوس ناک اور باعثِ استعجاب بات یہ تھی کہ بعض علمائے دین نے اسلام کی صدائے دردانگیز سننے سے کانوں کو بند کر لیا تھا۔ صوفیہ۔ عظام اور مشائخ کرام نے وقت کی سب سے بڑی دینی اور شرعی ضرورت کو سمجھنے سے اغماض برتا تھا اور ترکی کی خلافتِ اسلامیہ کو بچانے کے لیے میدان عمل میں نکلنے اور اسلام کی نصرت و حمایت سے انکار کر دیا تھا!

ان کے نزدیک مسلمانوں کی ایک عظیم الشان آزاد مملکت اور مسلمانوں کی شان و عظمت اور ان کے اقتدار و فرماں روائی کی آخری نشانی کے حفظ و بقا کے مقابلے میں، جس کے حدودِ مملکت میں ہزاروں مسجدوں کے وجود اور عزت کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا، ایک مسجد کی عزت و ناموس کی قیمت زیادہ تھی۔ حالاں کہ دنیا کے ایک وسیع علاقے پر مسلمانوں کا اقتدار و حاکمیت ایسی سیکڑوں مسجدوں کے قیام و بقا کی ضامن ہو سکتی تھی، لیکن ایک اسلامی سلطنت کے فنا ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے کسی مقدس مقام کے احترام اور تحفظ کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔ چناں چہ بعد کے عالمی واقعات و حوادث نے ثابت کر دیا کہ ترکی خلافت کے ضعف نے ترکی، حجاز، شام، عراق کی سیکڑوں مساجد اور مقاماتِ مقدسہ کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس

وقت ان علماے کرام اور مفتیان عظام کو شریعت کا حکم یاد نہ آیا تھا یا انھیں معلوم نہ تھا کہ صرف ترکی خلافت کے ضعف اور اس کی بعض ریاستوں کے قطع و برید نے مسلمانوں کو کس درجہ کمزور اور لاچار و بے بس کر دیا ہے۔

ان کی نظروں نے ایک برادر وطن کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا اور بے جھجک فیصلہ کر دیا کہ اسلام اور شریعتِ اسلامیہ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے اور جو مسلمان اس کے مسجد میں داخلے کے ذمہ دار ہیں، ان سے بہت بڑی معصیت سرزد ہوئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تعزیراتِ اسلامیہ سے کوئی دفعہ تلاش کر کے انھیں اس کی قرار واقعی سزا ضرور دے دی جائے، خواہ حدودِ خلافتِ اسلامیہ۔ ترکیہ کے تحفظ، بقاے منصبِ خلافت اور تحفظ مقاماتِ مقدسہ کی تحریک کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچ جائے۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ان کی آنکھوں کی بصارت اور قلب کی بصیرت نے کئی سچائیوں کو دیکھنے سے انکار کر دیا تھا، مثلاً یہ کہ:

* اگرچہ برادرانِ وطن کا مذہبی عقیدے میں مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہ تھا، لیکن سیاسی نقطہ نظر سے وہ ترک قوم کی حکومت اور اقتدار کو برٹش استعمار سے بچانے اور اس کے حرص و آز کے پنجوں کے توڑ دینے کے لیے مسلمانوں کی تحریک میں ان کے سب سے بڑے معاون وہی تھے۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت کے حدودِ سلطنت اور اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کے خلاف ان کی تحریک میں شریک اور اسلام دشمن استعمار سے ان کے شانہ بہ شانہ لڑ رہے تھے۔

* انھیں یہ نظر نہ آیا کہ اگر ترکی کے خلاف جنگ میں اس اسلام دشمن استعمار کے پنجے نہ توڑ دیے گئے تو یہ افریقہ و ایشیا کی کئی اور اسلامی ممالک کے حدود مملکت اور اقتدار اعلیٰ کے خوبصورت چہروں کو زخمی کر دے گا اور یہ بات محض مفروضے کی حد تک

نہ تھی، حقیقت یہ تھی جو انھیں نظر نہ آئی کہ یہی برٹش استعمار ایران کو تہہ و بالا کر رہا ہے۔ عراق کے تاریخی آثار اس کی توپوں کی زد میں ہیں، شام میں اس کی ریشہ دوانیوں نے اسلامی اتحاد میں رخنہ ڈال دیا ہے، حجاز میں شریف مکہ نے ترکی خلافت سے بغاوت کر دی ہے، ترکی کے مختلف علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے، مصر ان کے شکنجے میں جکڑا گیا ہے، افغانستان اس کی سازشوں کے جال میں پھنس گیا ہے، حجاز و عرب کی سرزمین کے گرد اس کی سازشوں کا جال پھیلا دیا گیا ہے۔

* ملک کے اندر بھی ان کی نگاہیں یہ دیکھنے سے قاصر تھیں کہ مارشل لا کے نفاذ نے اہل پنجاب کی زندگی کو حیوانوں سے بدتر بنا دیا تھا، جلیانوالا باغ (امرتسر) میں سیکڑوں ہندوستانیوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا تھا، ہندوستانی ہونا جرم بن گیا تھا، انھیں اپنے پاؤں پر چلنے کے بجائے کیڑوں مکوڑوں کی طرح پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا تھا، ان کی تحقیر و تذلیل کا کوئی طریقہ ترک نہ کیا جاتا تھا، پورے ملک پر رولیٹ ایکٹ کے نام سے نہایت ظالمانہ قانون نافذ کر دیا گیا تھا، ملک کے تمام حریت پسند اور قوم پرور مسلمان اور غیر مسلمان رہنماؤں کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا یا مختلف علاقوں اور شہروں میں نظر بند کر دیے گئے تھے، ہندوستان پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی اور حکومت نے رولیٹ ایکٹ کے نفاذ سے اپنے لیے یہ حق حاصل کر لیا تھا کہ وہ کسی شخص کو وجہ بتائے اور مقدمہ چلائے بغیر علاقہ و صوبہ بدر، نظر بند یا قید کر دے۔ اسی طرح اہل وطن سے عقیدے، مذہب، اظہار رائے، آزادی کے ساتھ اپنے ہی وطن میں نقل و حرکت اور سیر و گردش کا حق چھین کر انسانی عزت و ناموس اور شرافت اور انصاف کی دھجیاں بکھیر دی گئی تھیں۔

* انھوں نے یہ حقیقت دیکھنے سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں کہ ہندوستان اور اس کے ساتھ غیر مسلموں ہی کی نہیں مسلمانوں کی آزادی اور مستقبل میں آبرومندانہ زندگی کا دار و مدار قومی اتحاد کے ذریعے برٹش استعمار کو شکست دینے پر منحصر ہے! لیکن

افسوس کہ انھیں اس پورے عہد میں سوامی شردھانند کے مسجد میں داخلے کے سوا کوئی ناپسندیدہ اور قومی اور دینی حمیت کے خلافِ عمل نظر ہی نہ آیا!

ہندوستان میں آزادی کی خفیہ انقلابی تحریکیں اس صدی کے شروع میں کافی مضبوط ہو گئی تھیں اور ان کے اثرات بنگال سے لے کر پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان تک اور ہند سے بیرونِ ہند؛ جاپان، افغانستان، ترکی، روس، جرمنی، فرانس اور یورپ وایشیا کے کئی اور ممالک تک پھیل چکی تھیں۔ ان میں ہندو، مسلمان، سکھ مرہٹے شامل تھے اور مختلف سطحوں پر انقلابی سیاسی اعمال انجام دے رہے تھے۔ ایک صدی کی حکمرانی اور تقریباً نصف صدی سے زیادہ کے سیاسی اور انتظامی استحکام کے بعد برٹش حکومت کے سامنے یہ سیاسی صورتِ حال ایسی آئی تھی جس پر وہ محض انتظام کی سختی اور تشدد کی پالیسی اختیار کر کے قابو نہیں پا سکتی تھی۔ اس کے لیے اسے قانونی جواز کی بھی ضرورت تھی۔ رولیٹ کمیٹی کا قیام اس مسئلے کے حل کی تلاش کے لیے عمل میں آیا تھا اور اس نے جو سفارشات کی تھیں وہ حالات پر قابو پانے میں حکومت کے لیے رہنمائی تھی۔

رولیٹ کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۔ جنوری ۱۹۱۹ء کو شائع ہوئی تھی۔ اس کی سفارشات کی روشنی میں لیجسلیٹو کونسل میں ۶۔ فروری کو کئی بل پیش ہوئے۔ ان میں سے پہلا بل مارچ میں پاس ہو گیا۔ گاندھی جی نے ان بلوں کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ وہ ستیہ گرہ (مقاومت بالصبر) کے ذریعے ان کا مقابلہ کریں گے۔ یکم مارچ کو انھوں نے بمبئی میں ستیہ گرہ سبھا قائم کی اور تحریک کا آغاز کر دیا۔ بلوں کے خلاف احتجاج کے لیے وہ ملک کے دورے پر نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے اس دورے کے نتیجے میں ملک میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ پورا ملک مقابلہ و مقاومت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ۱۹۔ مارچ کو انھوں نے ایک حلف نامہ شائع کیا اور اعلان کیا کہ جو شخص اس تحریک

میں حصہ لینا چاہے وہ یہ حلف نامہ پر کرے ۔ تحریک کے دوران میں اس کے شرائط کی پابندی لازم قرار دی گئی ۔ حلف نامے میں کہا گیا تھا:

"یہ جانتے ہوئے کہ انڈین کریمنل لا ایمنڈمنٹ بل نمبر آف ۱۹۱۹ء اور کریمنل لا ایمرجنسی پاورز بل نمبر ۲ آف ۱۹۱۹ء بالکل غیر منصفانہ، سخت اور آزادی کے اصولوں کے خلاف ہیں اور انفرادی آزادی کے ان حقوق کے برعکس ہیں جن پر کسی ملک اور اس کی حکومت کے امن کا انحصار ہوتا ہے ۔

ہم ایمان داری سے کہتے ہیں کہ ان بلوں کے قانون کی شکل میں آنے کے باعث ہم اس وقت تک ان تمام اور اس قسم کے دوسرے قوانین کے ماننے سے انکار کرتے ہیں، جب تک کہ ان کو واپس نہ لیا جائے ۔

اور ساتھ ہی یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اس مہم میں ہم صداقت کو ہاتھ سے نہ دیتے ہوئے روپیہ، مال اور زندگی وغیرہ کے سلسلے میں تشدد سے باز رہیں گے (۹) ۔"

عملی اقدام کے آغاز کے لیے ۳۰۔ مارچ کا دن مقرر کیا گیا تھا ۔ اس دن سے ہڑتال کرنے، جلوس نکلنے، جلسے اور دعا کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا (۱۰) ۔ لوگوں سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ پرامن اور تشدد سے گریزاں رہیں گے اور حکومت کے جبر و تشدد کا صبر و استقامت (ستیہ گرہ) کے ساتھ مقابلہ کریں گے (۱۱) ۔ اور حکومت کے کسی فعل سے ہرگز اشتعال میں نہ آئیں گے ۔ یہ پروگرام آخری وقت میں ۶۔ اپریل تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا، لیکن دہلی میں ستیہ گرہ کے منتظمین کو بروقت اطلاع نہ پہنچ سکی تھی، اس لیے وہاں ۳۰۔ مارچ کو تحریک کا آغاز کر دیا گیا ۔

۱۔ چناں چہ اسی دن جامع مسجد دہلی میں جلسے کا انتظام کیا گیا ۔ چوں کہ سوامی شردھانند ان دنوں دہلی میں تھے، مسلمانوں نے انھیں جلسے میں مدعو کیا اور مسجد کے صحن میں مکبّر کے چبوترے پر کھڑے ہو کر انھوں نے تقریر کی ۔

۲۔ پورے شہر میں مکمل ہڑتال ہوئی ۔

۳۔ اور اہل دہلی نے جن میں مسلمان، ہندو اور دیگر اقوام کے لوگ شامل تھے، جلوس نکالا، جس کی رہنمائی سوامی شردھانند کر رہے تھے۔

یہ جلوس جب ریلوے اسٹیشن کے پاس پہنچا تو یورپین سپاہیوں نے اسے آگے بڑھنے سے روکا اور گولیوں میں اڑا دینے کی دھمکی دی۔ سوامی شردھانند نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور سپاہیوں کی وارننگ کے جواب میں انھوں نے اپنی چھاتی ننگی کر دی کہ اگر گولی چلا سکتے ہو تو چلاؤ۔ سوامی شردھانند کے اس جرأت مندانہ اقدام نے ان کی دھمکی کے اثر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب سپاہیوں نے جلوس کے شرکا کی طرف رخ کیا، لیکن وہ بھی ٹس سے مس نہ ہوئے اور سڑک پر بیٹھ گئے۔ یورپین سپاہیوں نے پھر متنبہ کیا اور جب ان کی وارننگ کا کوئی اثر نہ ہوا تو اس نے مجمع پر گولی چلا دی۔ جس کے نتیجے میں پانچ آدمی موقع ہی پر ہلاک اور بیسیوں افراد زخمی ہو گئے۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔ تواریخ، کانگریس میں ہندو مسلم اتحاد کی اس طرح منظر کشی کی گئی ہے:

> "عام دل چسپی اور جوش کا قابل دید منظر ہندو مسلم کا غیر معمولی اتحاد تھا۔ ان ہر دو اقوام کے لیڈروں کے باہمی اتحاد نے قوم پرست پلیٹ فارم کے لیے خاص موقع پیدا کر دیا تھا۔ اس جوش کے وقت ادنیٰ جماعتیں بھی اپنے اختلاف بھول گئیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے روح پرور منظر دیکھنے میں آرہے تھے۔ ہندو، مسلمانوں کے ہاتھ سے پانی پیتے تھے اور مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں سے۔ جلوس میں ہندو مسلم اتحاد زندہ باد کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ ہندو لیڈروں کو مسجد کے منبر سے تقریر کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس قسم کے زبردست ہندو مسلم اتحاد کی بڑی وجہ جنگ عظیم کے بعد ترکی کی پوزیشن تھی۔ خلافت خطرے میں تھی اور ہندو مسلمانوں سے اس معاملے میں پوری پوری ہمدردی رکھتے تھے (۱۲)۔"

سوامی شردھانند کے مسجد میں جانے اور تقریر کرنے کا واقعہ ۳۰۔ مارچ ۱۹۱۹ء کو پیش آیا تھا(۱۳) ۔ اوائل اپریل میں رد عمل سامنے آیا۔ اس سے متاثر ہو کر مولانا آزاد مرحوم نے یہ مضمون لکھا تھا۔ خاتمہ۔ مضمون کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون مکمل کیا تو رجب کا مہینہ ختم ہونے میں چھ دن باقی تھے، یعنی ۲۴۔ رجب ۱۳۳۷ھ (م ۲۵۔ اپریل ۱۹۱۹ء) کو مکمل کیا تھا۔

ابتدا میں مولانا کا خیال تھا کہ ایک مضمون کی حد تک مطالب کی وضاحت پیش نظر مقصد کے لیے کفایت کرے گی، لیکن لکھنا شروع کیا تو تحریر پھیلتی چلی گئی اور ایک عام مضمون کے حدود سے متجاوز ہو گئی۔ مضمون چوں کہ عوام کے مطالعے کے بجائے علمائے دین کے استفادے کے لیے لکھا گیا تھا، جن کی سادگی سے یہ فتنہ پیدا کیا گیا تھا اور انھیں کی تاویلات سے فائدہ اٹھایا اور پھیلایا گیا تھا، وہی اس کے اصل مخاطب تھے، اس لیے مناسب سمجھا کہ کسی اخبار کے بجائے کسی علمی رسالے میں اسے شائع کیا جائے۔ معارف، اعظم گڑھ کے سوا اس وقت کوئی ایسا رسالہ نہ تھا، جس میں یہ مضمون چھپوایا جا سکتا۔

مولانا آزاد چوں کہ اس زمانے میں رانچی میں نظر بند تھے اور آزادانہ خط و کتابت کرنے کی بھی اجازت نہ تھی، کوئی مضمون بھی اشاعت کے لیے از خود نہ بھیج سکتے تھے۔ متعلقہ حکام سے اجازت لینی ضروری تھی۔ ضابطے کی اس کارروائی میں تقریباً بیس دن لگ گئے۔ ۲۱۔ مئی کو مولانا نے رجسٹری کے ذریعے علامہ سید سلیمان ندوی کو معارف میں اشاعت کے لیے بھیجا۔ مولانا چاہتے تھے:

۱۔ معارف کے آنے والے شمارے میں شریکِ اشاعت کر لیا جائے اور اگر ایک ہی شمارے میں پورے مضمون کی اشاعت ممکن نہ ہو تو دو قسطوں میں شائع کر دیا جائے۔

۲۔ اگر کسی مجبوری سے ایسا ممکن نہ ہو تو اسے بہ طور ضمیمہ شائع کر دیا جائے اور

معارف کے خریداروں کے سوا تین سو نسخے مزید چھپوا لیے جائیں۔

۲۔ اگر کسی وجہ سے یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو الگ اور مستقل رسالے کی شکل میں اس کی اشاعت کا انتظام کر دیا جائے۔

اس صورت میں مناسب ہوگا کہ؛

الف: تقطیع معارف سے قدرے چھوٹی "مخزن" (لاہور) کی رکھی جائے۔

ب: خط بھی معارف کے خط سے قدرے خفی ہو۔

ج: کاغذ معمولی استعمال کیا جائے۔

د: الگ مستقل رسالے کی صورت میں تعدادِ اشاعت پان سو ہونی چاہیے۔

مولانا آزاد نے تحریر شروع کی تھی تو پیش نظر صرف ایک مضمون تھا، اس لیے ہر نئے مبحث کے لیے نمبروں کا کافی سمجھا تھا، جب تحریر ایک مضمون کی حد سے بڑھ کر رسالے کی حد کو پہنچ گئی تو عنوانات مناسب معلوم ہوئے، لیکن یہ خیال آیا تو مضمون اس وقت اشاعت کے لیے اعظم گڑھ بھیجا جا چکا تھا، اس لیے مولانا نے حضرت سید سلیمان ندوی (علیہ الرحمہ) کو لکھا کہ کاتب کو ہدایت کر دی جائے کہ جہاں جہاں سے نیا نمبر شروع ہوتا ہے، وہاں بین السطور میں صرف لفظ "فصل" جلی قلم سے لکھ دیا جائے۔ معارف کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہو سکا۔ شاید سید صاحب کاتب کو یہ ہدایت کرنی بھول گئے یا مضمون کتابت کے مرحلے سے گزر کر طباعت کے مرحلے میں جا چکا تھا۔

مولانا نے اس وقت تک مضمون کا عنوان بھی مقرر نہ کیا تھا۔ حضرت سید صاحب کو لکھا تھا کہ بعنوان مناسب اس کی اشاعت کا انتظام کر دیں۔ یہ مضمون معارف کے مئی اور جون کے دو شماروں میں "مساجد اور غیر مسلم" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ پہلی قسط ۲۶ صفحوں اور دوسری قسط ۳۲ صفحوں پر مشتمل تھی۔ پورا

مضمون ۵۸ صفحوں میں مکمل ہوا تھا۔ رسالے کی شکل میں اشاعت کے لیے مزید پانچ سو آف پرنٹس نکالے گئے تو بعض تصیحات کے علاوہ نمبروں کے بجائے لفظ " فصل " کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کا سرورق (ٹائیٹل) مولانا نے " جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد " کے عنوان سے تالیف کیا تھا اور فہرست مضامین کو فصول کے شمار اور عنوانات کے اضافے کے ساتھ مرتب کر کے شامل کیا تھا، جن پر صفحات کے نمبر درج نہیں۔ یہ دو صفحے (ٹائیٹل اور فہرست کے) ۵۸ صفحوں کے سوا ہیں۔

مولانا آزاد نے رسالے کی شکل میں اشاعت کے لیے تین سو کی تعداد تجویز کی تھی، لیکن موضوع کی اہمیت اور ان خیالات کی تشہیر کی زیادہ سے زیادہ ضرورت کا خیال کرتے ہوئے حضرت سید صاحب نے پان سو کی تعداد میں چھاپ دیا تھا۔ مولانا اس سے خوش ہوئے اور انھیں لکھا:

> یہ تو اپنے کامل معنوں میں کشف ہے۔ خود مجھے خیال ہوا تھا کہ تین سو کی تعداد کافی نہیں، زیادہ ہو، لیکن اس لیے نہیں لکھا کہ شاید کتابت رسالہ معارف و رسالہ کی ایک ہی رکھی گئی ہو اور مئی نمبر کا حصہ بہ شکل رسالہ بھی چھپ چکا ہو۔ بہ ہر حال یہ خوب کیا کہ تعداد پان سو کر دی۔"

(تبرکات آزاد، مرتبہ غلام رسول مہر، لاہور، ۱۹۵۹ء، صفحہ ۱۴۹)

رسالے کی اشاعت کے اخراجات چوں کہ انجمن اسلامیہ، رانچی کی جانب سے ادا کیے جانے تھے، اس لیے مولانا نے ایک نسخے کے سوا تمام نسخے انجمن کے حوالے کر دیے تھے۔ جو نسخہ مولانا نے اپنے پاس رکھ لیا تھا، اسی کو نظر ثانی کے بعد دوسرے ایڈیشن کے لیے مسودہ بنا دیا تھا۔ آج ہمارے لیے اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ مولانا نے یہ ترمیم و اصلاح کب کی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں اولین اشاعت کے فوراً بعد، یا ۱۹۲۷ء میں، جب اس کی دوسری اشاعت کا فیصلہ کیا تھا؟ اگرچہ یہ اشاعت مولانا کی زندگی میں کبھی منصہ شہود پر نہیں آسکی۔

مولانا کا یہ اصلاح شدہ نسخہ ان کے کتب خانے میں تھا۔ جب انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز، نئی دلی کے کتب خانے کا قیام عمل میں آیا تو مولانا کے ذخیرہ۔ کتب کے ساتھ یہ نسخہ بھی کونسل کی لائبریری میں آگیا۔ سب سے پہلے مولانا کے پرائیویٹ سکریٹری محمد اجمل خان مرحوم کو اس کا علم ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عابد رضا بیدار کو اس وقت اس کا پتا چلا، جب مولانا کا ذخیرہ۔ کتب کونسل کی لائبریری میں منتقل ہوا تھا اجمل خان مرحوم کو بھی شاید ۱۹۶۰ء میں اس رسالے کا علم ہوا تھا، اس لیے کہ مولانا آزاد کے اصلاح شدہ نسخے پر انھوں نے "مصححہ۔ مولانا آزاد مرحوم" کے جملے کے ساتھ "۱۰۔ مئی ۱۹۶۰ء" تاریخ ڈالی ہے۔ خاکسار کو ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے ذریعے اس نسخے کا علم اگست ۱۹۶۲ء میں ہو گیا تھا، جب کونسل کا دفتر پٹودی ہاؤس میں تھا اور ڈاکٹر صاحب مولانا آزاد کا ذخیرہ۔ کتب ترتیب دے رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تالیف "مولانا ابوالکلام آزاد" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں یہ بات سب کو معلوم ہو گئی۔

مولانا آزاد کے ذخیرے سے حاصل شدہ کئی نایاب چیزیں مثلاً "سورہ۔ نور کی تفسیر"، "نیشنل تحریک"، "البیرونی اور جغرافیہ۔ عالم" شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن اس رسالے کی تدوین واشاعت کی طرف کسی صاحب ذوق نے توجہ نہ کی تھی۔ ۱۹۸۹ء میں جب میں نے ہندوستان کا سفر کیا تو میرا ارادہ تھا کہ اس کا عکس حاصل کر کے اس کی تدوین و اشاعت کا افتخار حاصل کروں گا۔ جس روز میں نے کونسل کی لائبریری سے رسالے کا عکس حاصل کیا، عزیز محترم قاضی خواجہ محمد منیر کے ذریعے یہ بات علم میں آئی کہ محترم مسیح الحسن صاحب اسے مرتب کر چکے ہیں اور خدا بخش لائبریری پٹنہ اسے شائع کر رہی ہے۔ مجھے مسیح الحسن صاحب کی قسمت پر رشک آیا۔ اگرچہ رسالے کی اشاعت میں اس کے بعد بھی (۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۳ء) پورے چار سال لگ گئے، میرے لیے یہ مدت بہت زیادہ تھی۔ میں اسے ۱۹۸۹ء کے اختتام سے بہت پہلے چھاپ دے سکتا تھا، لیکن طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ناشر کی سست کاری سے فائدہ اٹھا کر کتاب چھاپ دوں اور

ایک عزیز و مخلص کے سر پر سجنے والی کلاہ۔ افتخار سے اپنے سر کو زینت دوں۔ ہندوستان کے پچھلے سفر میں ان سے ملاقات کی جو خوش وقتی حاصل ہوئی تھی اور آں محترم کے اخلاق کریمانہ کا جو تجربہ ہوا تھا، یہ مستعدی اور چابک دستی اس کا بدلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے سامنے خود اتنے کام ہیں کہ اگر انھیں کی انجام دہی میں لگ جاؤں تو شاید زندگی کی بقیہ مہلت کفایت نہ کر سکے۔

۱۹۹۳ء میں مسیح الحسن صاحب کا مرتبہ ایڈیشن شائع ہو گیا۔ یہ اس رسالے کا دوسرا تصحیح و نظر ثانی شدہ ایڈیشن تھا۔ اس سے قبل مکتبہ۔ ماحول، کراچی (۱۹۶۰ء)، مکتبہ۔ ماحول، دہلی (۱۹۶۰ء)، مکتبہ۔ خالد، لاہور (ت ۔ ن)، ابو الکلام اکادمی، لاہور (مارچ ۱۹۶۰ء)، اور نیو تاج آفس، بمبئی (ت ۔ ن) سے اس کی جو اشاعتیں سامنے آئیں تھیں، وہ دراصل اس کے ایڈیشن نہیں نقلیں (ری پرنٹس) تھیں۔

زیر نظر اشاعت قاعدے کے مطابق اس کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ جو قارئین کرام اس کا مطالعہ فرمائیں گے وہ اندازہ کر سکیں گے کہ اسے از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ دونوں اشاعتوں کی ترتیب و تدوین کے انداز بالکل مختلف ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے جن حضرات کے پاس اس کا دوسرا ایڈیشن ہو، وہ بھی اس سے بے نیاز نہ رہ سکیں۔ لیکن میں اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ قارئین کرام کے ہاتھ میں ہے۔

جامع الشواہد کا پہلا ایڈیشن (۱۹۱۹ء) سرورق اور فہرست مضامین کے دو صفحے چھوڑ کر اٹھاون صفحوں پر مشتمل تھا۔ آخری صفحہ بہ قدر نصف کے استعمال ہوا تھا، لیکن ۱۹۲۷ء میں جب مولانا نے اس کی نئی کتابت کروائی تھی، تو چوں کہ اس کی کئی فصلیں خارج کر دی تھیں اور دیگر فصول میں بھی اضافات کے مقابلے میں خارجات زیادہ تھے، اس لیے سرورق اور فہرست مضامین کے دو صفحوں کو چھوڑ کر پورا رسالہ پچاس صفحوں میں آگیا تھا۔ مولانا آزاد کا اصلاح شدہ جو نسخہ انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز، نئی دلی

کے کتب خانے میں ہے۔ اس کے مختلف صفحات پر کاتب کے قلم سے، جیسا کہ کاتبوں کی عادت ہوتی ہے کہ کتابت کرتے ہوئے جہاں صفحہ مکمل ہوتا ہے نشان اور صفحے کا نمبر ڈال دیتے ہیں، نشان اور نمبر پڑے ہوئے ہیں جو پچاس پر ختم ہوتے ہیں۔

اگست ۱۹۲۷ء میں مولانا آزاد نے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو جو خط الہلال کی ترتیب و تدوین اور کتابت کے بارے میں لکھا تھا اور اولاً "ذکر آزاد" از مولانا ملیح آبادی (کلکتہ، ۱۹۶۰ء) میں اور پھر مکاتیب ابوالکلام آزاد مرتبہ ابو سلمان شاہجہان پوری (کراچی، ۱۹۶۸ء) میں شائع ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ایڈیشن کی کتابت منشی عباس علی صاحب نے کی تھی۔ منشی صاحب الہلال (۱۹۲۷ء) کے کاتب تھے۔ الہلال کی کتابت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وقت کے عمدہ کاتبوں میں سے تھے۔ جامع الشواہد کی کتابت تو انھوں نے الہلال سے بھی اچھی کی ہوگی، لیکن جیسا کہ محقق ہے، یہ اشاعت کبھی منصہ شہود پر نہیں آئی۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے، مولانا آزاد نے جب یہ رسالہ لکھنا شروع کیا تھا تو ان کے سامنے اخبارات میں اشاعت کے لیے مناسب ضخامت کا صرف ایک مضمون لکھنا تھا، لیکن رفتہ رفتہ مباحث پھیلتے چلے گئے اور اس کی ضخامت مضمون کی حد سے متجاوز ہو گئی۔ مضمون لکھتے ہوئے ہر نئے مبحث کے لیے مولانا نمبر ڈالتے گئے تھے جب معارف میں اشاعت کے لیے بھیجا تو خیال آیا کہ کتاب کے مباحث کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لیے نمبر کافی نہ ہوں گے۔ ان کی جگہ عنوانات زیادہ مناسب ہوں گے۔ خیال ہوگا کہ اگر عنوانات کا اہتمام کیا جائے تو شاید مزید ایک دو روز کی تاخیر ہو جائے۔ اس لیے مضمون بھیجتے ہوئے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کو لکھا:

"ایک اور ضروری بات ہے۔ ابتدا میں چوں کہ خیال نہ تھا کہ تحریر بڑھ جائے گی، اس لیے بلا فصل و عنوانات محض نمبروں کی ترتیب سے لکھنا

شروع کیا گیا۔ لیکن اب دیکھتا ہوں تو تحریر بہت بڑھ گئی اور بیچ میں کہیں موڑ نہیں۔ پڑھنے والے اکتا جائیں گے۔ پس اب عنوانات کا قائم کرنا تو خالی از اشکال نہیں۔ البتہ جب کاتب لکھنا شروع کرے تو اتنی ہدایت کر دی جائے کہ تحریر میں جہاں جہاں سے نیا نمبر شروع ہوتا ہے، وہاں بین السطور وسط میں صرف لفظ "فصل" جلی قلم سے لکھوا دیا جائے اور نمبروں کو نکال دیا جائے۔ مسودے ہی میں ایسا بنا دیا جائے۔ اس طرح کل بائیس جگہ لفظ فصل آئے گا، کیوں کہ کل بائیس نمبر ہیں۔"

(تبرکاتِ آزاد، مرتبہ غلام رسول مہر، لاہور، ۱۹۵۹ء)

یہ گزارش مولانا نے ۲۱۔ مئی ۱۹۱۹ء کے اس خط میں کی تھی جس کے ساتھ مضمون ملفوف تھا، لیکن حضرت سید صاحب نے یا تو تبدیلی مناسب نہ سمجھی یا مضمون دیتے ہوئے وہ کاتب کو ہدایت نہ کر سکے، اس لیے نمبروں کی جگہ لفظ فصل نہ بنایا جا سکا معارف میں نمبر ہی چھپے ہیں، البتہ جب اس کے آف پرنٹس (پان سو زائد تعداد) نکلوائے جا رہے تھے تو پلیٹوں (پریس کے پتھروں) میں یہ تبدیلی کر دی گئی۔ نمبروں کو مٹا کر ان کی جگہ فصل کا لفظ بڑھا دیا گیا۔ مولانا غلام رسول مہر کی رائے تھی کہ فصل کے مقابلے میں نمبر ہی بہتر تھے۔ اگر اس موقع پر فصل کے بجائے عنوان کا اضافہ ہو جاتا جو مولانا چاہتے تھے تو یہ واقعی بہتر ہوتا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک تو مولانا نے عنوانات بنائے ہی نہ تھے یا بھیج نہ سکے تھے۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ فہرست فصول کے عنوانات کی صراحت سے تیار کر دی جائے۔ مولانا نے یہی کیا۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسالے کے کتابی ایڈیشن میں فہرست اسی طرح ہے، لیکن عنوانات کی اصل جگہ رسالے کے وہ مقامات ہیں جہاں سے وہ فصول شروع ہوتی ہیں۔ زیر نظر ایڈیشن میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ مصنف مرحوم کی منشا کے مطابق فصول کے ساتھ عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

مولانا آزاد نے دوسرے ایڈیشن کے لیے جو مسودہ تیار کیا تھا، اس میں اول کے مقابلے میں بہت اصلاحات ہیں۔ ان اصلاحات نے اسے پہلے ایڈیشن سے بہت بدل دیا ہے۔ یہ اصلاحات کئی طرح کی ہیں:

۱۔ پہلی قسم کی اصلاحات کا تعلق زبان و بیان کے اغلاط سے ہے۔ پہلے ایڈیشن میں مصنف کے سہو قلم سے یا کتابت میں کاتب کی عدم توجہ سے جو اغلاط پیدا ہو گئے تھے مولانا نے انھیں درست کر دیا ہے۔ مثلاً:

الف: بے پرواہ (ص ۲) صحیح لفظ بے پروا ہے۔ مولانا نے اسے درست کر دیا ہے۔ اگرچہ صفحہ ۹ پر یہ اصلاح مولانا کے قلم سے رہ گئی۔

ب: نظر ثانی میں مولانا نے ایک اور اپنے سہو قلم کو پکڑا اور عبارت میں اصلاح فرمائی ہے۔ پہلے ایڈیشن میں مولانا کے قلم سے یہ جملہ نکلا تھا۔

"اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نہایت سختی کے ساتھ اس سے روکا تھا کہ رسول اللہ کے حضور میں بے ادبانہ آواز بلند نہ کریں۔" (ص ۵۰)

در حقیقت مولانا کہنا یہ چاہتے تھے کہ بلند کرنے سے روکا تھا۔ لیکن حرف نفی "نہ" کے استعمال نے جملے کے مفہوم کو بالکل بدل دیا تھا جو حضرت مصنف کا ہرگز مقصود نہ تھا۔ دوسرے ایڈیشن کے لیے نظر ثانی میں مولانا نے حرفِ نفی "نہ" حذف کر دیا۔

ج: مولانا کے سہو قلم سے ایک اور غلطی اس جملے میں در آئی تھی۔ مولانا نے اس جملے میں "حضور میں" استعمال کیا تھا، حالاں کہ "حضور" کے ساتھ حرف علت "میں" استعمال نہیں ہوتا، جیسا کہ خدمت، صحبت وغیرہ الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

د: گزرنا اور اس سے بننے والے افعال میں مولانا نے ہر جگہ "ذ" استعمال کی تھی۔ یہ مولانا کی محض عادت تھی۔ حالاں کہ ان الفاظ میں "ز" درست ہے۔

لیکن جس زمانے میں مولانا نے تحریر و کتابت کی مشق کی تھی اور جس کی وجہ سے مولانا کی زبان قلم پر ان الفاظ کا یہ املا چڑھ گیا تھا، اس وقت اور اس کے بہت بعد تک اہل قلم عام طور پر "ز" اور "ذ" کے استعمال میں پروا نہ کرتے تھے بعد میں مولانا کی تحریروں میں اس عادت کے استمرار کا پتا نہیں چلتا۔

د صفحہ ۲۹ پر مولانا کے قلم سے "ٹکڑا" کا املا "ٹکڑہ" نکلا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کسی اور جگہ مولانا نے یہ لفظ لکھا ہو اور کہیں دار "ہ" استعمال کی ہو۔ اگرچہ یہ لفظ منسوخ فصل ۱۲ میں استعمال ہوا ہے، لیکن درست کر دیا ہے۔

۲۔ بعض الفاظ مولانا نے ان کے پہلے محل استعمال میں نامناسب سمجھ کر دوسرے لفظوں سے بدل دیے ہیں۔ اس قسم کے بہت لفظوں میں سے چند یہ ہیں؛

ا۔ کفار (ص ۱۸، ۲۵، ۲۶ و دیگر صفحات)		کے بجائے غیر مسلموں
ب لفار و عبدۃ الاصنام	(ص ۳۳)	کے بجائے مشرکین
ج: مشرکین عرب	(ص ۳۴)	کے بجائے مجوسیوں
د: غیر ذمی کفار	(ص ۳۸)	کے بجائے غیر ذمیوں

۳۔ ایک قسم کی اصلاحات وہ ہیں، جن کا تعلق اسلوبِ تحریر اور طرز نگارش سے ہے۔ اس عمل اصلاح سے مولانا نے تحریر کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ پہلے مولانا نے ایک جملہ ایک طرح لکھا تھا، اس میں زبان کی کوئی غلطی نہ تھی۔ نظر ثانی میں اس جملے کو دوسرے انداز سے لکھنا مناسب سمجھا۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کی اصلاح سے تحریر میں روانی اور سلاست پیدا ہو گئی ہے۔ چند مثالیں یہ ہیں؛

الف: اس کو بدعت قرار دیا جارہا ہے۔ (ص ۲) اب یہ جملہ اس طرح ہے:
"اسے بدعت ...."

ب: ان کو کوئی نہیں روکتا۔ (ص ۲) اس جملے میں "ان کو" لفظ "انھیں"

سے بدل گیا ہے۔

ج: ان کو عین سنت سمجھ رہے ہیں۔(ص ۲) اس جملے میں بھی "ان کو"

لفظ "انھیں" سے بدل گیا ہے۔

د: ان کو قطعاً جواز سے اختلاف ہے۔(ص ۳۷) اس جملے میں "ان کو" لفظ

"انھیں" سے بدل گیا ہے۔

اس قسم کی سیکڑوں اصلاحات ہیں، جنھیں زیر نظر ایڈیشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۴۔ بہت جگہوں پر مولانا نے حشو و زوائد کو قلم زد کر کے تحریر کو مختصر کر دیا ہے۔

مثلاً:

الف: پہلے مولانا نے لکھا تھا:

"اور لکھا ہے کہ مساجد کی توہین کی گئی ہے اور اسلامی عبادت گاہ کے

احترام کا کچھ لحاظ نہیں رکھا گیا۔ وغیر ذلک۔" (ص ۱)

اس ایڈیشن میں یہ جملہ آپ اس طرح پائیں گے:

"اور لکھا ہے کہ اس سے مساجد کی توہین ہوئی ہے۔"

وہی بات جو پہلے تیئیس لفظوں میں کہی گئی تھی، اب اس کے لیے

صرف گیارہ لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس اختصار سے وضاحت کا کوئی نقص

تو پیدا نہیں ہوا، البتہ اجمال کا حسن بڑھ گیا ہے۔

ب: اسی طرح پہلے مولانا نے لکھا تھا:

"اس مقصد کے لیے بڑی بڑی تمہیدیں اٹھائی ہیں اور شان دار

عنوانات اختیار کیے ہیں۔" (ص ۱)

اب اس عبارت کے لیے صرف یہ ایک جملہ اختیار کیا گیا ہے:

"اس مقصد کے لیے بڑی بڑی شاندار تمہیدیں اٹھائی گئی ہیں۔"

اور یہ جملہ پورے مفہوم کی بہ خوبی وضاحت کے لیے کفایت کرتا

ہے، اختصار کا حسن اس پر مستزاد ہے۔

ج: مولانا کی یہ اصلاح بھی اسی قسم میں شمار کی جانی چاہیے۔ اس میں مولانا نے زوائد کے ترک کے ساتھ جملے کی ساخت میں بھی تبدیلی کر دی ہے۔ پہلے مولانا نے لکھا تھا:

"ان کو مسجد میں عارضی طور پر بہ طور مہمان کے ٹھیرانا بھی جائز ہے۔

(ص ۲)

اب اس جملے کی شکل یہ ہے:

"انھیں مسجد میں بہ طور مہمان کے ٹھیرایا بھی جاسکتا ہے۔"

ان دونوں عبارتوں کے مطالعے سے بہ یک نظر اندازہ کر لیا جاسکتا ہے کہ پہلی عبارت میں "عارضی طور پر" بے ضرورت تھا، اسے حذف کر دیا اور دو اور جو معمولی تبدیلیاں کیں ان سے جملہ رواں بھی ہو گیا۔

د: تحریر میں غیر ضروری تفصیل و طوالت کو دور کر کے اسے بہت جامع بنا دینے کی صرف ایک اور مثال پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ مولانا نے پہلے لکھا تھا:

"طرح طرح کی بدعتیں علانیہ مسجدوں میں ہو رہی ہیں۔ مثلاً: انعقاد مواسم و محافل بدعیہ، رفع الصوت و بیع و شرا فی المسجد و ہجوم مساکین و سائلین و حرج فی الجماعت و سکونت فساق و تارکین صلوۃ و صلاتان معاً وغیرہ ذلک ان کو کوئی نہیں روکتا۔" (ص ۲)

اب اس طویل عبارت کی جگہ صرف دو مختصر جملے ہیں۔ اس کے باوجود نہ وضاحت کا کوئی نقص ہے، نہ مفہوم میں کوئی کمی واقع ہوئی، نہ فہم کے لیے کوئی مشکل پیدا ہوئی۔ دو آسان اور سادہ جملے، اختصار و اجمال کے حسن سے آراستہ جو اپنے چند لفظوں میں پوری وضاحت رکھتے ہیں۔ جملے یہ ہیں؛

"طرح طرح کی بدعتیں علانیہ مسجدوں میں، ہو رہی ہیں، انھیں کوئی نہیں روکتا۔"

۵۔ مولانا کی ایک اصلاح وہ ہے جس میں انھوں نے تحریر کے مشکل اور عام قارئین کے لیے نامانوس الفاظ بدل کر ان کی جگہ آسان الفاظ اور جملے رکھ دیے ہیں۔ مثلاً؛

۱۔ مس (ص ۵) کو چھوت سے، ۲۔ مسامحت (ص ۸) کو رواداری سے، ۳۔ اشد (ص ۹) کو سخت سے، ۴۔ امکنہ (ص ۱۲) کو مکانات سے، ۵۔ بیع وشرا۔ (ص ۴۷) کو خرید و فروخت سے، ۶۔ لمس و مواکلت و مشاربت (ص ۳۳) کو چھونے یا کھانے پینے سے۔

اب مولانا نے جو الفاظ اختیار کیے ہیں، وہ اردو خواندگی کی معمولی صلاحیت رکھنے والے کے فہم سے بھی دور نہیں رہے۔

۶۔ اصلاحات کی ایک قسم وہ ہے جس میں مولانا نے عربی فارسی کے مشکل الفاظ و تراکیب کو بدل دیا ہے اور فارسی اضافتیں دور کر کے عبارت کو فہم کے لیے آسان، زبان کے لیے رواں اور ادائیگی کے لیے سہل بنا دیا ہے۔ اس قسم کی اصلاح کی چند مثالیں یہ ہیں؛

الف: مولانا نے پہلے لکھا تھا:

"منع اکل بصل وثوم و منع انشاد ضالہ و منع بیع وشرا۔ وغیر ذلک۔"

(ص ۳)

اب اس کی جگہ یہ عبارت ہے:

"تیز بو کی چیز کھا کر مسجد میں آنا، گمشدہ آدمی یا حیوان کو پکارنا، خرید و فروخت کرنا۔"

یہ اوپر کی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے، جملوں میں کمی بیشی کا عمل بھی ہوا ہے۔ اوپر کی عبارت میں کوئی لفظ اردو کا نہیں تھا۔ تبدیل شدہ عبارت

میں کوئی لفظ عربی کا نہیں رہا۔ عام قارئین کے لیے اس کا مفہوم زیادہ واضح اور زبان آسان ہو گئی ہے۔

ب: اس سلسلے میں مولانا کی ایک اور بہت جامع اصلاح پیش کی جاتی ہے پہلے ایڈیشن میں مولانا نے لکھا تھا:

"اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی مسجد میں اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنا چاہے اور کوئی فعل محسوس و مشہود بت پرستی کا یا خلافِ احترام مسجد نہ کرے تو شرعاً اس کو نہیں روکنا چاہیے، الا یہ کہ اس سے کسی فساد و مضرت یا عادت و التزام یا قبضہ و تمکین کا اندیشہ ہو۔ مسجد خدا کی عبادت کے لیے ہے۔ بس اس کا ہر بندہ عبادت کر سکتا ہے، لیکن شرک عبادت نہیں ہے۔ عبادت کی ضد ہے۔ اس لیے شرک و بت پرستی کی اجازت عبادت گاہ میں نہیں دی جا سکتی۔ مسیحی نماز کے تین رکن ہیں؛ تلاوت، سجدہ، دعا۔ پس انھوں نے اپنے طریق پر یہی کیا ہو گا۔" (ص ۴)

اس عبارت میں اضافہ، حذف، ترمیم، تلخیص اور تسہیل کے تمام اعمال اصلاح انجام دیے گئے ہیں۔ اب عبارت کی اس شکل نے نئے ایڈیشن میں جگہ پائی ہے:

"اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی مسجد میں اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنی چاہے اور کوئی فعل ایسا نہ کرے جو بت پرستی کا ہو، تو اسے اجازت دی جا سکتی ہے۔ الا یہ کہ اس سے کسی فساد کا اندیشہ ہو۔ مسجد خدا کی عبادت کے لیے ہے۔ پس اس کا ہر بندہ وہاں عبادت کر سکتا ہے۔ مسیحی نماز کے تین رکن ہیں؛ تلاوت، سجدہ، دعا پس انھوں نے اپنے طریق پر یہی کیا ہو گا۔"

ج: پہلے مولانا نے تحریر کیا تھا:

"جو جماعت رعایت مصالح اخریٰ کے ساتھ ایسا کرتی ہے۔" (ص ۲)

مولانا نے اس جملے کی اضافتیں دور کر کے جملے کو کس قدر سہل اور آسان بنادیا ہے۔اب یہ کسی معمولی صلاحیت کے قاری کے لیے بھی اپنے اندر کوئی ثقالت اور فہم کے لیے کوئی مشکل نہیں رکھتا ہے۔جملہ یہ ہے:

"جو جماعت مصالح کی رعایت کے ساتھ ایسا کرتی ہے۔"

د: پہلے مولانا کے قلم سے یہ جملہ نکلا تھا:

اس ادب تعظیم اور توقیر و تعزز رسولؐ کے خلاف تھی۔" (ص ۵)

اب جملے کی شکل یہ ہے:

"اس ادب و احترام کے بھی خلاف تھی۔"

ہ: پہلے ایڈیشن میں یہ عبارت تھی:

"...... تو مجسم تادب و تعظیم اور سکوت و خشوع کی تصویر ہوتے۔" (ص ۵۱)

اب اس جملے میں نہ تو نامانوس عربیت ہے، نہ کسی قسم کی بے جا طوالت اور تلفظ کی ثقالت ہے۔ایک آسان اور سادہ جملہ نفاست اور سلاست کے سانچے میں ڈھل گیا ہے۔جملہ یہ ہے:

"...... تو ادب و سکوت کی تصویر ہوتے۔"

و: اس سلسلہ۔ امثلہ میں صرف ایک مثال اور پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔پہلے مولانا نے لکھا تھا:

"انھوں نے تقدیم و اتباع شریعت فی جمیع الاحوال و الاعمال کی صدائے دعوت بلند کی۔" (ص ۵۶)

اب اس مفہوم کے بیان و وضاحت کے لیے مولانا کے قلم پر یہ ایک جملہ آیا ہے:

"انھوں نے اتباع قرآن کی صدائے دعوت بلند کی۔"

مولانا نے جب اصلاح کا قلم ہاتھ میں لیا تھا اور جامع الشواہد کے پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی شروع کی تھی تو اس بارے میں ان کے ذہن میں ایک اصول تھا، جس کی طرف مولانا نے ایک تحریر میں اشارہ کیا ہے۔ یہ تحریر اگرچہ بعد کی ہے لیکن اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اصلاح و ترمیم کس اصول کے تحت کی تھی۔ غالب " پر ایک نوٹ میں مولانا نے مہر مرحوم کو مشورہ دیا تھا:

"یہ بھی یاد رکھیے کہ الفاظ و تراکیب میں بہ قصد و تکلف موئے لفظ نہیں لانے چاہئیں۔ ان لفظوں کو معانی و مفاہیم کی نزاکتوں کے تقاضے سے خود بہ خود آنا چاہیے اور وہی بلاغت کی شان پیدا کرتے ہیں۔" (نقش آزاد، مرتبہ غلام رسول مہر، لاہور۔ ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۶)

جامع الشواہد پر نظر ثانی کے وقت مولانا کے سامنے یہ اصول رہا تھا۔ اوپر کے امثلہ جات (الف تا و) میں اصلاح کا یہ عمل بہ خوبی نمایاں ہوا ہے۔

۷۔ بہت سے مقامات پر مولانا نے الفاظ کے تقدم و تاخر سے عبارت کو زیادہ سلیس بنانے کی کوشش کی ہے اور بلاشبہ اس کوشش میں وہ پوری طرح کامیاب رہے ہیں اور اس عمل سے تحریر کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔

الف مولانا نے پہلے یہ جملہ لکھا تھا

"مسلمانوں کو ہر حال میں چاہیے کہ احکام شرعیہ کو مقدم رکھیں۔"

(ص ۱۱)

اب چند لفظوں کے تقدم و تاخر کے بعد یہ جملہ اس طرح سامنے آیا ہے

"مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر حال میں احکام شرعیہ کو مقدم رکھیں۔"

اس جملے کے لفظوں کی تعداد میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی، لیکن صرف چند لفظوں کو آگے پیچھے کر دینے سے اس کے حسن اور سلاست میں جو

اضافہ ہوا وہ صاف محسوس کر لیا جا سکتا ہے۔

ب: اسی قسم کی ایک عبارت جو مولانا نے پہلے لکھی تھی، یہ ہے

"شاید مسلمانان دہلی و کلکتہ نے کوئی بڑی ہی خلاف ورزی احکام شریعہ کی کی ہے اور ......" (ص ۱)

اب اس نئے ایڈیشن میں یہ عبارت اس طرح ہے:

"شاید مسلمانان دہلی و کلکتہ نے احکام شریعہ کی کوئی بڑی ہی خلاف ورزی کی ہے اور ......"

چند لفظوں کے تقدم و تاخر سے جملے میں جو حسن اور روانی پیدا ہو گئی ہے، اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

۸۔ الہلال کے دور میں مولانا تحریر میں مرادفات بہ کثرت لاتے تھے۔ تذکرہ میں بھی ان کا یہی انداز رہا تھا اور جامع الشواہد چوں کہ اس کے فوراً بعد کی تحریر ہے، اس لیے اس میں بھی اسلوب تحریر کی یہ خوبی نمایاں ہے۔ لیکن اصلاح و نظر ثانی میں مولانا نے یہ انداز بدل دیا تھا اور بے شمار جگہوں پر کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے انھوں نے خاص محل میں ایک ہی مناسب لفظ باقی رکھا۔ مولانا کے اصول کے مطابق ایک مناسب لفظ کے استعمال کے بعد ہر دوسرا لفظ حشو میں شمار ہو گا اور بلاغت کے خلاف، مولانا نے اس اصول کی طرف مولانا غلام رسول مہر مرحوم کی کتاب "غالب" پر اضافات و حواشی میں اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ہمیشہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہر مفہوم کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کیا جائے، مگر ایسا لفظ جو اپنے محل میں پوری طرح موزوں ہو۔ جب ایک لفظ ایسا بول دیا گیا تو اب ہر دوسرا مرادف حشو ہو گا اور حشو بلاغت کے خلاف ہے"

(نقش آزاد، ص ۳۳۸)

جامع الشواہد میں اس قسم کی اصلاحات کو بہ کثرت اور تقریباً ہر صفحے پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہاں اس کی مثالوں سے تحریر کو گراں بار کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

۹۔ ایک قسم کی اصلاح اور ہے جس کا تعلق ہماری اخلاقیات سے ہے۔ لفظ "ہندو" ایک قوم کے خیالات، اس کے ذوق، اس کے اندازِ فکر اور طرزِ زندگی کی طرف اشارے اور اس کی شناخت کے لیے ہرگز برا نہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خاص خاص مواقع پر یہ لفظ اس قوم کی تحقیر کے لیے اور دشنام کے طور پر بولا جانے لگا تھا۔ ہماری بد قسمتی سے ہمارا یہ رویہ یہیں تک محدود نہیں رہا بلکہ بہاری، بنگالی، پنجابی، سندھی، پٹھان تک اس ذوق بے تمیزی کا نشانہ بنے، حالاں کہ ان سے تو کوئی مذہبی اختلاف بھی نہ تھا۔ ان نسبتوں کو ہم نے تحقیر و تضحیک کے لیے استعمال کیا اور نہیں سوچا کہ اس کے نتائج کتنے تلخ ہو سکتے ہیں۔ حضرت مولانا آزاد نے کتاب پر نظرِ ثانی میں ایسے تمام الفاظ کو دوسرے مناسب الفاظ سے بدل دیا جس سے کسی قسم کا شائبہ تحقیر یا کسی کی دل شکنی کا پہلو نکلتا ہو۔

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں اس رسالے میں بہت جگہوں میں، خصوصاً ساتویں اور آٹھویں فصل میں مولانا نے کافر، کفار، کافروں وغیرہ الفاظ کو غیر مسلم یا غیر مسلموں سے بدل دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا صرف یہی مطلب نہیں کہ ہندوستان کے غیر مسلم مصطلحہ۔ قرآن کفار میں شامل ہیں یا نہیں؟ بلکہ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا کافر یا کفار کا لفظ بہ طور طنز کے استعمال نہیں کر رہے، بلکہ وہ دو مذاہب کے ماننے والوں میں محض تمیز و شناخت کے لیے ایک لفظ استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ ان کے سامنے یہ ہے کہ آیا اس کے لیے کافر کا لفظ زیادہ موزوں ہے یا غیر مسلم کا؟ مولانا نے غیر مسلم کا لفظ پسند کیا ہے۔

۱۰۔ تصحیح و نظرِ ثانی میں ان مباحث اور فصول کو بھی حذف کر دیا ہے جن کی حیثیت

مولانا کے نزدیک وقتی تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کی اہمیت باقی نہ رہی تھی یا کم ہو گئی تھی۔ نظر ثانی میں مولانا نے ایسی تمام عبارتیں بھی حذف کر دیں جن کا انداز بیان علمی سے زیادہ مناظرہ قسم کا تھا یا جن سے بحث و جدل کا کوئی نیا دروازہ کھل سکتا تھا۔

۱۱۔ نظر ثانی و اصلاح میں متعدد ایسے اضافات بھی ہیں جو افکار و مطالب کو زیادہ واضح یا مدلل بناتے ہیں۔

اس کتاب کا املا حضرت مولانا کے اصول و اختیار دورہ آخر کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی رہنمائی تو خود اس رسالے ہی سے میسر آئی۔ مثلاً:

۱۔ اس کتاب میں اکثر مرکبات اضافی و توصیفی میں ہمزہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: علماء کرام، علماء دہلی، لیکن اسی رسالے میں "صدائے دعوت" کی ترکیب بھی ہے۔ (ص ۵۶) اور چوں کہ مولانا کا بعد کا یہی املا ہے، جیسا کہ مالک رام مرحوم نے لکھا ہے اور ویسا ہی استعمال بھی کیا ہے، چناں چہ اسی املا کو اصول و معیار بنا کر پوری کتاب میں اس قسم کی تمام تراکیب میں یکسانیت پیدا کر دی ہے۔

اس قسم کی تراکیب میں "یائے اضافت" کے ساتھ ہمزہ (ئے) کا استعمال درست نہیں۔ یائے اضافت ہمزہ (ء) ہی کی قائم مقام ہے۔ اسی طرح مضارع میں مثلاً: جانا سے جائے، گانا سے گائے، رونا سے روئے وغیرہ کے سوا اس قسم کے اسماء مثلاً: گائے (جانور)، چائے (شے)، پائے (جانور کے) وغیرہ میں "ے" پر ہمزہ (ئے) درست نہیں۔ اس فرق کے بغیر مجرد لفظ "گائے"، "پائے" وغیرہ میں فعل اور اسم کی تمیز نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ایسے الفاظ میں ہمزہ (ء) یا "ے" کے ترک و اختیار کا عمل بالقصد کیا گیا ہے۔

۲۔ مولانا نے دعوت، ملت، امت، حضرت، قوت وغیرہ الفاظ میں عام طور سے

تاے مدورہ استعمال کی ہے ۔ الہلال، تذکرہ، زیرنظر رسالہ وغیرہ میں ان کا املا یہی تھا. لیکن آخر میں انھوں نے عربی املا کی تقلید ترک کر دی ۔ اس رسالے میں بھی اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، لیکن اب اس ایڈیشن میں بہ اہتمام یہی املا اختیار کیا گیا ہے ۔ اس سے اس اشاعت میں املا کی یکسانیت پیدا ہو گئی ہے ۔

۳۔ ایک زمانے میں ہمارے بزرگ ادیب اور اہل قلم تیار، تیاری وغیرہ کو " طا " سے لکھتے تھے ۔ مولانا آزاد کی ابتدائی روش اس سے مختلف نہ تھی، لیکن بعد میں انھوں نے یہ روش ترک کر دی تھی اور " طا " کے بجاے " تا " استعمال کرنے لگے تھے ۔ اس کتاب میں ان الفاظ کا یہی املا اختیار کیا گیا ہے ۔

۴۔ اردو میں ہاے مخلوط (ھ) اور ہاے سادہ (ہ) میں عام طور پر فرق نہیں کیا جاتا، حالاں کہ یہ دو الگ الگ حرف ہیں ۔ زیرنظر رسالے میں اس فرق کو نمایاں رکھا گیا ہے ۔ انھیں، تمھیں، تمھارا، اٹھانا، بٹھانا، وغیرہ الفاظ میں ہاے مخلوط ہے اور یہیں، کہیں، نہیں، پہنچا وغیرہ میں ہاے سادہ یا کہنی دار " ہا " ہے ۔ اسی طرح اہل، ہجری، ہذا، طہارت، اہمیت وغیرہ الفاظ اگرچہ اصلاً عربی ہیں اور عربی میں ہ اور ھ ایک ہی حرف ہے، لیکن اردو میں یہ الفاظ بھی " ھ " کے بجاے " ہ " سے لکھے جاتے ہیں ۔ مولانا نے ۱۹۲۷ء میں الہلال کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے نام ایک رقعے میں اس اصول املا کی طرف انھیں توجہ دلائی تھی ۔ (مکاتیب ابو الکلام آزاد ۔ مرتبہ ابو سلمان شاہجہان پوری ۔ کراچی ۔ ۱۹۶۸ء، ص ۱۴۶)

اردو میں ایک لفظ " ٹھیرنا " ہے ۔ اسے " ٹھہرنا " بھی لکھا جاتا رہا ہے، لیکن اب عام طور پر ہاے ثانی کی تخفیف اور " یا " سے تبدیلی کے ساتھ ٹھیرنا ہی لکھا جاتا ہے، الا یہ کہ کوئی خاص محل ہو، یا ضرورتِ شعری کی کوئی مجبوری پیش آجائے ۔ جگر مرادآبادی مرحوم کا شعر ہے:

ٹھہر ٹھہر دل بیتاب ! پیار تو کر لوں
اب اس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی

اس میں "ٹھ" کے بعد کہنی دار "ہ" ہے اور یہاں یہی صحیح ہے۔ لیکن ٹھیرنا میں ہاے مخلوط کے بعد "یا" درست ہے۔ ترجمان القرآن کے ساہتیہ اکادمی ایڈیشن میں یہی املا اختیار کیا گیا ہے۔ مولانا آزاد کے اس رسالے میں اس قسم کے الفاظ میں املا کی یکسانیت نہ تھی، اس لیے ان میں ہا کو یا سے بدل دیا ہے، لیکن اگر کوئی محترم قاری کسی جگہ ہا کو درست سمجھتے ہوں تو انھیں تلفظ اور املا میں ہا کو تخفیف کیے بغیر ادا کرنا اور لکھنا چاہیے۔

۵۔ اردو میں الفاظ کو ملا کر لکھنے کی روایت بہت قدیم ہے۔ ہمارے بزرگ ادبا اور اہل قلم کی عادت یہی رہی ہے، لیکن اصول املا ہمیشہ یہی رہا ہے کہ دو مستقل لفظوں کو الگ الگ لکھا جائے۔ اس رسالے میں اس اصول کو کوئی پروانہ کی گئی تھی۔ اس کے ہر صفحے اور ہر پیراگراف میں اس قسم کی بے ربطی کے منظر سامنے آجاتے ہیں۔ اب زیر نظر ایڈیشن میں آپ دیکھیں گے کہ اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی ہے اور اس لیے، کیوں کہ، ازاں جملہ، من جملہ، چناں چہ، ان کو، اس پر، اسی طرح وغیرہ کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ اس اصول املا کی طرف مولانا نے خود اشارہ کیا ہے۔ (مکاتیب ابو الکلام آزاد، ص ۱۳۶)

۶۔ رسالے میں امالے کے اصول کی بھی کوئی پروانہ کی گئی تھی۔ پورے رسالے میں بے ربطی تھی جس کی مثالیں اس رسالے میں بہ کثرت موجود تھیں۔ اس ایڈیشن میں اس اصول کو بھی پوری احتیاط کے ساتھ برتا گیا ہے۔ اب قارئین کرام اس قسم کے جملوں کو دوسری شکل میں پائیں گے۔ پہلی شکل یہ تھی:

الف: بس اس واقعہ سے ....، ب: اس معاملہ کے جواز سے ....، ج: نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس مسموع نہیں ....، د: اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے ....

اب آپ کو یہ جملے اس طرح ملیں گے:

الف: بس اس واقعے سے ....، ب: اس معاملے کے جواز سے ....، ج: نص کے

مقابلے میں ....،   د: اس سلسلے میں ....

۷۔ اردو اور ہندی کے کچھ الفاظ ایسے ہیں جو روایتاً سادہ "ہ" سے لکھے جاتے ہیں۔ لیکن اب اردو املا کے اکثر ماہرین نے یہ طے کر دیا ہے کہ ایسے تمام الفاظ میں الف استعمال کیا جائے گا۔ اس باب میں بعض استثنا بھی ہیں لیکن شاذ کے درجے میں۔ اس اصول کو مولانا نے بھی بعد کو برتا ہے، لیکن الہلال، تذکرہ، جامع الشواہد کے دور میں بلکہ اس کے کچھ عرصے بعد تک مولانا کے سامنے یہ اصول نہ تھا۔ اس وقت انھوں نے ایسے الفاظ کا املا سابقہ روایت کے مطابق ہی کیا تھا۔ مثلاً روپیہ، پتہ، بھروسہ، بٹہ وغیرہ۔ اب اس قسم کے الفاظ کو روپیا، پتا، بھروسا، بٹا لکھا ہے۔ بعض اہل فن نے کلکتہ، پٹنہ، انبالہ وغیرہ اسماے معرفہ پر بھی اس اصول کا اطلاق کیا ہے، لیکن اکثر نے اس قسم کے الفاظ کو مستثنیات میں رکھا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

عربی الفاظ میں اس اصول کو نہیں برتا ہے۔ مولانا نے جہاں نصاریٰ، صغریٰ، کبریٰ، عیسیٰ، مصطفیٰ، تقویٰ، مستثنیٰ، قویٰ وغیرہ قسم کے الفاظ استعمال کیے ہیں، ان کا املا اسی طرح رہنے دیا ہے۔ یہ متفقہ اصول نہیں ہے کہ انھیں بھی الف سے لکھا جائے اگرچہ ہمارے سامنے اس قسم کی نظیر موجود ہے کہ مولانا نے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا املا صلات اور زکات استعمال کیا ہے، لیکن اس رسالے میں مولانا کے مستعمل املا کو نہیں بدلا ہے۔ میرے ذہن میں یہ بات ہے کہ "تذکرہ" کی طرح جامع الشواہد میں عربی تحریر کی اتنی گہری چھاپ ہے اور اس کا اسلوبِ نگارش عربی تحریرات، احادیث، اصول فقہ کے مباحث سے ایسا گراں بار ہے کہ اس قسم کی تبدیلی مناسب نہ ہو گی۔

پھر مولانا کے آخری دور کے املا کی جس نظیر سے فائدہ اٹھا کر صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا املا بدلا جائے۔ اسے ان دو لفظوں تک ہی کیوں محدود رکھا جائے؟ اصولاً تو یہ چاہیے کہ اس نظیر کی روشنی میں پہلے اصول وضع کیا جائے پھر اس کا اطلاق صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی قسم کے تمام الفاظ پر کیا جائے جن کی تعداد اگر سیکڑوں نہیں تو درجنوں تو ضرور ہو گی۔

یقین معلوم ہے کہ اگر ایسا کیا جائے تو مولانا کی تحریر کی شکل ہی بدل جائے گی ۔ خود ہمیں غرابت کی حد تک نامانوس معلوم ہو گی اور مولانا کی تحریر بہ ظاہر مولانا کی نظر نہ آئے گی ۔

۸۔ امراء، علماء، فقہاء، وغیرہ عربی الفاظ کے آخر میں ہمزہ موجود ہے ۔ اردو میں یہ ہمزہ تلفظ میں تو پہلے بھی نہ آتا تھا، البتہ لکھنے میں عام طور پر آتا تھا ۔ اب املا میں بھی اسے تخفیف کر دیا گیا ہے ۔ اس رسالے میں جہاں اس قسم کے الفاظ عربی ترکیب کے بجائے اردو جملوں میں استعمال ہوئے ہیں، وہاں ہمزہ کا التزام بالکل غیر ضروری سمجھا گیا ہے ۔

۹۔ میں دو لفظوں کی طرف قارئین کرام کو توجہ دلاؤں گا ۔ وہ لفظ "سوچ" اور "منبر" ہیں ۔ مولانا نے ان کا املا "سونچ" (ص ۴۵) اور "ممبر" (ص ۲۲ و ۵۴) اختیار کیا ہے ۔ سونچ لکھنے کا رواج رہا ہے۔ لیکن خود مولانا نے اکثر سوچنا اور اس کے افعال استعمال کیے ہیں منبر کے لیے ممبر کا املا بھی نظر سے گذرا ہے، لیکن ممبر بہ معنی رکن سے تمیز کرنے کے لیے تلفظ کی رعایت کے بجائے عربی املا کے مطابق "منبر" استعمال کیا ہے ۔

مولانا آزاد ان اہل قلم میں سے ہیں جنھوں نے علاماتِ قرأت (پنکچوئیشن) کے استعمال کی اہمیت کو اپنی ابتدائی علمی و ادبی زندگی میں محسوس کر لیا تھا ۔ اس مسئلے پر ان کا مضمون خدنگ نظر، لکھنو بابت اکتوبر ۱۹۰۲ء میں چھپا تھا ۔ اس وقت سے مولانا کے ہاں ان کے استعمال کی ایک شعوری کوشش نظر آتی ہے ۔ اردو میں پنکچوئیشن کے استعمال سے اس وقت عام طور پر اہل قلم بھی ناواقف تھے ۔ مولانا نے ہمیشہ اس کے اصول پیش نظر رکھے، لیکن کاتبوں اور کمپوزیٹروں کی عدم واقفیت اور بے پروائی کی وجہ سے ان کے کامل استعمال میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی ۔ اس کے باوجود مولانا کے رسائل و کتب میں ان علامات کا سب سے زیادہ اور صحیح استعمال ہوا ہے ۔ مالک رام مرحوم نے مولانا کی جو تصانیف اور خطوط و خطبات کے جو مجموعے مرتب کیے ہیں، ان

میں پنگچوئیشن کو صحت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔اس رسالے میں راقم الحروف نے بھی ان کے باصحت استعمال کی کوشش کی ہے۔

ایک غور طلب مسئلہ یہ رہ گیا کہ مولانا نے جامع الشواہد کی کتابت کرا لینے کے باوجود اسے شائع کیوں نہیں کیا؟ باون صفحے کے رسالے کی اشاعت کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مولانا اس پر نظر ثانی کر چکے تھے، کتابت ہو چکی تھی، پریس اپنا تھا، کام میں کوئی پیچیدگی اور کوئی دقت طلب مسئلہ نہ تھا۔ جہاں ہر ہفتے ایک شان دار میگزین (الہلال) چھپتا ہو، وہاں دو ریم کاغذ کی چھپائی، جس میں پان سو سے زیادہ رسالہ تیار ہو سکتا تھا، کوئی مسئلہ نہ تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی اشاعت (۱۹۱۹ء) کے بعد ۱۹۲۷ء سے پہلے یا ۱۹۲۷ء کے بعد مولانا کے خطوط میں یا کسی اور تحریر و بیان میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ذکر آزاد از مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی میں دو جگہ اس کا نام آیا ہے۔ ایک تو ۱۸ برس کی عمر کے بعد کی تصنیفات میں اس کا نام آیا ہے یا ۸۔ اگست ۱۹۲۷ء کے مولانا ملیح آبادی کے نام ایک خط میں اس کے لیے بہ قدر ایک سطر کے مضمون آیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ اگر منشی عباس علی فارغ ہوں تو انھیں جامع الشواہد کی بقیہ کاپیاں لکھنے کے لیے دے دی جائیں۔ اس سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ مولانا کے نزدیک اس کام کی کوئی اہمیت تھی اور وہ اس کی اشاعت کے لیے بے چین تھے۔

آخر اس کی کیا وجہ تھی؟ حالاں کہ مولانا آزاد ہندوستان میں فرقہ وارانہ اتحاد، اعتماد اور امن کے قیام کو اسلام کے مفاد کے نقطہ نظر سے بنیادی اہمیت کا مسئلہ سمجھتے تھے اور مسلمانوں کا تنگ دلانہ اور نفرت انگیز رویہ اس راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ رسالے کی اشاعت کے لیے یہ کوئی معمولی محرک نہ تھا، جب کہ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے یہ ایک نہایت مفید اور موثر رسالہ تھا۔ اس کے باوجود ہم اس کی اشاعت کے لیے مولانا میں کوئی جوش نہیں پاتے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ

اپنے موضوع پر رسالے کی اہمیت اور افادیت کے باوجود اس کی تحریر کا محرک تاریخ کا ایک معمولی واقعہ ہوا تھا اور مولانا اس قسم کے واقعات کو ہرگز ہوا دینا نہ چاہتے تھے۔ دوسری وجہ شاید اپنی تصنیفات کی اشاعت سے عدم توجہ، بار بار نظرثانی کی ضرورت کا احساس، خوب سے خوب تر بنانے کی آرزو اور کتابت و طباعت وغیرہ کے اعلیٰ ترین معیار کی تلاش میں وقت کا انتظار ہو، جس طرح دیگر مصنفات و مؤلفات کا ایک بڑا ذخیرہ نظرثانی کے لیے منتِ کش فرصت رہا۔ یہ رسالہ بھی اسی زمرے میں شامل ہو گیا ۱۹۲۷ء میں اگر اس کی اشاعت کی طرف توجہ ہو گئی تھی تو تعجب نہیں کہ کوئی وقتی جذبہ اس کا محرک ہوا ہو۔ لیکن یہ محض خیال آرائی ہے۔ ممکن ہے اس کا کوئی جز حقیقت کے مطابق یا اس سے قریب ہو۔

بہرحال واقعہ یہی ہے کہ یہ رسالہ ۱۹۱۹ء کے بعد ۱۹۹۳ء تک دوبارہ شائع نہیں ہوا، حالاں کہ یہ ایک اہم مسئلے پر ہے۔ مسلمانوں کے ایک نہایت غیرشرعی رویے پر اس میں بحث کی گئی ہے، جو ہندوستان کے خاص ماحول اور تاریخی پس منظر میں مسلمانوں کے بہترین مفاد میں، اسلام کی تعلیم و اشاعت کے عظیم مقصد کے پیش نظر تالیف کیا گیا تھا۔ اس کی تالیف کا محرک خواہ کوئی وقتی حادثہ اور خواہ کوئی معمولی واقعہ ہی کیوں نہ ہو، مسئلے کی اہمیت اور تالیف کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اب اس رسالے کی اشاعت کا ایک مقصد تو یہی ہے کہ مسلمان مستقبل میں اسلام کی تعلیم و اشاعت کے لیے کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ منصوبہ بندی کر سکیں۔

اشاعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی وفات کے بعد اگرچہ تصنیف و تالیف کے ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور مولانا کے آثار علمیہ اور دستاویزات کی تلاش اور تدوین و اشاعت کا دور ہے۔ جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ مولانا کے تمام آثار و افادات فراہم اور شائع ہو گئے ہیں، تصنیف

و تالیف کا قدم آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ اس رسالے کی اشاعت کا دوسرا مقصد کم از کم میرے ذہن میں یہی ہے کہ مولانا کا یہ "اثرِ علمی" مناسب انداز میں مرتب ہو کر صحت کے ضروری اہتمام کے ساتھ شائع ہو جائے۔

اس رسالے کی روشنی میں مولانا آزاد کے علم و مطالعے کی وسعت، حدیث و فقہ میں ان کے تبحر، اصول میں ان گہری نظر، کلیات و جزئیات سے بہ یک وقت ان کے ذوق کی مناسبت اور پوری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ مولانا کے آثارِ علمیہ میں یہ آخری اثر ہے جو شائع ہو گیا ہے، تو اس رائے پر غور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہیں اور ابھی کچھ آثار کی بازیافت کی امید ہے تو ہمیں مولانا کے علم و مطالعے کی وسعت، فکر کی بلندی، علوم و فنون میں ان کے تبحر، قوتِ استدلال، ذہانت و فطانت، تدبر و بصیرت، باریک بینی و نکتہ رسی، تحریر کی پختگی اور اسلوب کی دل نشینی کے آخری فیصلے کے لیے وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو اس رسالے کے مطالعے کے بعد بہترین رائے کی صورت میں نکالا جاسکتا ہے۔

حواشی:

(۱) دستورِ اساسی جمعیت خلافتِ ہند، ناشر: مجلس مرکزیہ خلافتِ ہند، بمبئی، طابع: خلافت پریس، بمبئی

(۲) ہدایت نمبر ۳ اور ۴ پر غور فرمائیے۔ قومِ ہنود کے مسجد میں داخلے میں کچھ مزاحمت نہیں مگر وہ "ادب سے جاویں" افسران سول و ملٹری و دیگر صاحبان انگریز کو اندر جانے کی صرف اجازت ہی نہیں وہ جوتے پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں، انھیں "کچھ جوتا اتارنے کی احتیاج نہیں ہے۔"

سوال یہ ہے کہ ادب سے جانے کی شرط ہندوؤں کے لیے ہے، انگریزوں کے لیے کیوں نہیں؟ اور اگر جوتا اتارنے کی احتیاج انگریزوں کے لیے نہیں تو ہندوؤں کے لیے کیوں ہو؟ اگر مسجد میں داخل ہوتے ہوئے جوتا اتار لینا آداب مسجد میں شامل ہے تو انگریز، عیسائی، یہودی اس سے مستثنیٰ کیوں ہوں اور اگر جوتا پہنے ہوئے مسجد میں چلے آنا ادب مسجد کے خلاف نہیں تو ہندوؤں کے لیے یہ لازم کیوں ہو؟ اگر غیر مسلموں کا داخلہ مسجد کسی صورت میں جائز نہ تھا تو ہندوؤں کے لیے ادب کے ساتھ اور عیسائیوں، یہودیوں کے لیے بے ادبی (جوتوں) کے ساتھ بھی اس کے جواز کا دروازہ کیوں کھولا؟ اور اگر جائز تھا تو کسی شرط یا عدم شرط کی ضرورت کیا تھی؟ یہ اصول جواز یا عدم جواز بھی کیا خوب ہے کہ انگریز کمشنر کہے کہ ہندوؤں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا نہیں جاسکتا، تو جائز ہو گیا اور اگر ہندوؤں کے داخلے سے برٹش استعمار پر زد پڑے تو ناجائز! گویا اس معاملے میں شریعتِ اسلامیہ یا مسلمانوں کی رائے اور ان کی مرضی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

(۳) انتخاب ذکاء اللہ، مرتبہ اصغر عباس۔ لکھنو، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۸-۱۰۷

(۴) کیا ہندوستان کے مسلمانوں نے کبھی اس بات کو سوچا کہ انھوں نے ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے (۱۸۵۷ء) کے بعد ان کے لیے اسلامی احکام و مسائل کو جس حد تک مسخ کیا اور ان کے عمل دخل کے لیے اسلامی شریعت میں جو جواز پیدا کیے، ہندوؤں کے لیے جن کے ساتھ وہ ۱۲۰۰ سو برس سے رہتے آئے ہیں، اس کے عشر عشیر رعایات اور ان کے تالیف قلب کے بارے میں سوچا ہے؟ امثال و نظائر بے شمار ہیں۔ لیکن میں یہاں مسلمانوں کے طرز عمل کی صرف دو ایک مثالیں پیش کرنی چاہوں گا:

۱۔ انھوں نے ہندوؤں کی تالیف قلب کے لیے ذبیحہ۔ گاؤ کو کبھی ترک نہیں کیا اور مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی حالت کو شرعی جواز بنا کر ثابت کر دیا کہ ذبیحہ۔ گاؤ تو مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کے لیے انسانی خون بھی ان پر مباح ہو گیا!

۲۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو کبھی اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ اپنے کسی مذہبی تہوار یا خوشی کے جشن کی تقریب سے بھی گاتے بجاتے ہوئے مسجد کے سامنے سے گزریں۔ صرف اس ایک بات پر ہندوستان میں سیکڑوں ہندو مسلم فساد ہوئے ہیں۔ ان کے اپنے لیے جائز تھا کہ لڑکے کے ختنے کے بعد غسل صحت کے موقع پر گھوڑے پر سوار ہو کر باجا بجاتے ہوئے مسجد کے

دروازے تک آئیں، رسوم ادا کریں اور پھر اسی شان کے ساتھ واپس جائیں۔ ختنے کی رسم کے بارے میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے لکھا ہے:

"اس شہر کی ایک رسم یہ ہے کہ جب لڑکوں کا ختنہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کا غسل صحت ہو تو ایک شادی ہوتی ہے، جس کا نام گھوڑے چڑھنے کی شادی ہے۔ عزیز و اقربا لڑکے کو دولھا بنا کے اور گھوڑے چڑھا کے باجے گاجے کے ساتھ مسجد کے نیچے لاتے ہیں۔ دولھا مسجد کے اندر درگارہ میں جاتا ہے اور آثار شریف کی زیارت کر کے چلا آتا ہے۔" (انتخاب ذکاء اللہ، ص ۹۴)

مولوی سید احمد دہلوی لکھتے ہیں:

"لڑکے کو گھوڑے پر چڑھاتے، دیسی اور انگریزی باجا بجاتے کسی بزرگ مقام پر لے جاتے ہیں۔ دہلی والے جامع مسجد کے اندر آثار شریف میں بچے کو لے جا کر سلام کراتے اور ملیدہ چڑھاتے ہیں اور دیگر مقامات میں کسی بزرگ کی درگاہ یا مسجد وغیرہ میں رسم ادا ہو جاتی ہے وہاں سے آکر لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں، کوئی ناچ دکھاتا ہے۔" (رسوم دہلی از مولوی سید احمد دہلوی، دہلی)

خواجہ حالی مرحوم نے مسلمانوں کی حالت کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

"کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر　　جو ٹھیرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر　　کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں"

اگر ایک رسم یا کوئی بات مسلمانوں کے لیے جائز تھی یا اس کا جواز پیدا کیا جا سکتا تھا تو کیا ہندوؤں کی تالیف قلب کے لیے رعایت کا دروازہ نہیں کھولا جا سکتا تھا؟ اگر انگریزوں کے لیے ڈھول بجانا ترک کر دیا جا سکتا تھا تو کیا ہندوؤں کی خاطر کسی سڑک پر مسجد کے سامنے باجا بجانا اور گاؤکشی ترک نہیں کی جا سکتی تھی؟ اس وقت کوئی عالم و مفتی یہ کہنے والا نہ تھا کہ اگرچہ دھونسہ بجانا، فرض و واجب نہیں، لیکن اگر اسے حکومت جبراً اور حاکمانہ روکے گی تو یہ مداخلت فی الدین ہو گی اور مسلمانوں پر دھونسہ بجانا فرض ہو جائے گا اور اگر کوئی مسلمان خوشامدانہ اس عمل کو ترک

کرے گا تو اس پر ترکِ فرائض شرعیہ کا اطلاق ہو گا اور اس کی جگہ اسلام میں باقی نہیں رہے گی۔

(۵) انتخاب ذکاء اللہ، ص ۱۱۱

(۶) اس مضمون کی تیاری میں واقعات دار الحکومت دہلی (حصہ دوم) از مولوی بشیر الدین احمد، دہلی ۱۹۱۹ء، آثار الصنادید از سر سید احمد خاں، مرتبہ ڈاکٹر ایس معین الحق، کراچی، ۱۹۶۶ء، دہلی اور اس کے اطراف از مولوی عبد الحی مرتبہ صادقہ ذکی، دہلی، ۱۹۸۸ء سے بھی مدد لی گئی ہے۔

(۷) خطبات سر سید (جلد اول)، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء (طبع اول)، صفحہ ۴۶

(۸) پنجاب میں مارشل لا (۱۹۱۹ء) اور مسجد شہید گنج کی تاریخ پر کئی کتابیں پیش نظر ہیں۔

(۹) تواریخ کانگریس از ڈاکٹر پٹا بھی سیتا رامیہ، لاہور، ۱۹۳۱ء، ص ۲۶۴

(۱۰) گاندھی جی نے اور مولف تواریخ کانگریس نے "دعا" کے لیے "پرارتھنا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(۱۱) مولانا سید محمد میاں مرحوم نے ستیہ گرہ کا ترجمہ "مقاومت بالصبر" کیا ہے۔

(۱۲) تواریخ کانگریس، ایضاً، ص ۶۶ - ۲۶۵

رولیٹ ایکٹ کے نفاذ، اس کے خلاف ستیہ گرہ کی تحریک، پنجاب میں مارشل لا کے نفاذ اور بعض اندوہ ناک واقعات کے ظہور کے سلسلے میں تحریک آزادیِ ہند (جلد سوم) از تارا چند، دہلی، ۱۹۸۵ء، مسلمانوں کا روشن مستقبل از سید طفیل احمد منگلوری، دہلی، ۱۹۴۷ء (بار پنجم)، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے (حصہ اول) از مولانا سید محمد میاں، مراد آباد، ۱۹۴۶ء، مولانا آزاد ..... ایک سیاسی ڈائری، مرتبہ: اثر بن یحییٰ انصاری، دھولیہ، ۱۹۸۲ء اور کئی دوسری کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

(۱۳) دہلی کا یہ کوئی تنہا واقعہ نہ تھا، اس قسم کے واقعات ملک کے طول و عرض میں کئی شہروں میں پیش آئے تھے کہ غیر مسلم برادران وطن مساجد کے اجتماعات میں مسلمانوں کی دعوت پر شریک ہوئے تھے اور تقریریں کی تھیں۔ کلکتہ و اجمیر کے واقعات کی طرف تو خود مولانا آزاد نے اسی رسالے میں اشارہ کیا ہے۔ لیکن چوں کہ اجمیر میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری کی شخصیت اتنی عظیم تھی اور ان کا رعب علمی لوگوں کے دلوں پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ ان کی موجودگی میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوئی۔ ان سے بریلی، بدایوں اور لکھنو کے بزرگ بھی دبتے تھے۔ کلکتہ اور

اس کے گرد و نواح میں مولانا آزاد کا اثر چھایا ہوا تھا۔ بہار میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، علامہ سید سلیمان ندوی وغیرہما کی بااثر شخصیات تھیں جو خلافت کمیٹی کے پروگرام سے متفق تھیں۔ بہار اور جنوب مشرقی یوپی سے لے کر اودھ تک کا علاقہ ان کے زیر اثر تھا۔ ان کی موجودگی میں کوئی فتنہ انگیزی فروغ نہ پا سکتی تھی، البتہ روہیل کھنڈ اور شمالی یوپی کے اضلاع میں کوئی ایسی موثر شخصیت موجود نہ تھی جو کسی ایسی فتنہ انگیزی کا سد باب کر سکتی، جب کہ سرچشمہ، فساد یہی علاقہ تھا۔ اس کے باوجود اطراف و اکناف ہند کی ان شخصیات کے خیالات سے یہ علاقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا اور یہاں بھی جلد ہی اس فتنے پر قابو پا لیا گیا۔ اس میں یہ بات بھی تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ مخالفین تحریک ستیہ گرہ کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

خوش ہے بجز ایسے لوگوں کا اخراج بہت ہی واجب ہے۔

اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر و توسیع کی تو ایک
ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنایا اور لوگوں سے کہا جس کسی کو بلند آواز میں بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو وغیرہ
کے لیے [illegible] اس کے لیے یہ جگہ ہے۔ سمہودی نے وفاء الوفاء میں یہ واقعہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوا
کہ حضرت عمرؓ مسجد میں رفع صوت اور مذاکرہ و مجالسہ کے مخالف نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لیے خاص طور پر اہتمام
کیوں کرتے؟ [illegible] پسند نہیں کرتے تھے کہ مسجد نبوی میں [illegible] خصوصیت بات کہی جائے
اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم و احترام [illegible] سے بے پروائی و غفلت کی بنیاد پڑے۔ اس لیے ایک
گوشہ میں چبوترہ بنا دیا کہ لوگوں کی عادتیں بھی [illegible] خلل نہیں پڑے گا [illegible] باقی نہیں رہے گی جو حضرت عمرؓ
[illegible] رفع صوت سے [illegible] یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ حضرت امام مالکؒ کا مذہب اس
بارے میں کیا ہے؟ تو یہ جو حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ مطلقاً [illegible] درس و تدریس علم کے لیے بھی [illegible] تو دراصل
یہ صرف مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص ہے [illegible] امام مالکؒ کا یہ مذہب نہیں ہے کہ [illegible] مساجد میں درس و تدریس علم
کیلئے بھی رفع صوت [illegible] ابن بشر نے منقول ہے انا اکرہ ذلک ولا اری فیه خیرا یعنی میں مکروہ سمجھتا ہوں
کہ مسجد میں درس و تدریس علم ہو لیکن [illegible] صرف مسجد نبوی سے [illegible] جس سوال کے جواب میں انہوں نے یہ کہا وہ
بھی مسجد نبوی ہی کے متعلق تھا [illegible] اور اسی بنا پر مدینہ میں
انکے اس طریق کو کمال ادب و تعظیم رسول کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ بہ عنوان فقہ و احکام [illegible] کہ عام
طور پر مساجد میں درس و تدریس علم و رفع الصوت [illegible] کیونکر مکروہ قرار دے سکتے ہیں جبکہ
اس کثرت سے [illegible] اس کے خلاف موجود ہیں [illegible] خلفائے راشدین [illegible] مسجد
میں تعلیم کے [illegible] رفع صوت و قال و قیل [illegible] درس و تدریس علم کی تو کوئی جگہ بجز مسجد نبوی کے آنحضرت
کے زمانہ میں تھی ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں حکم دیا کہ تمام بلاد مفتوحہ میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور

حضرت مصنف کا اصلاح و ترمیم شدہ مسودہ برائے اشاعت ثانی کا ایک صفحہ

تمہید

الحمد للہ وحدہ

بعض اخبارات نے مسلمانان دہلی و کلکتہ کے اس طرز عمل کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے کہ مسجدوں کی مجالس میں ہندوؤں کو بھی شریک کیا گیا اور تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ دہلی کے مسلمان سب سے زیادہ نشانہ ملامت ہیں کہ انھوں نے سوامی شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی - ان اخبارات نے اس فعل کو نہ صرف ناجائز بتلایا ہے بلکہ ایک سخت فتنہ و بدعت سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس سے مساجد کی توہین ہوئی (۱)۔

جن صاحبوں نے یہ خیالات ظاہر کیے ہیں انھوں نے اس مقصد کے لیے بڑی بڑی شاندار تمہیدیں اٹھائیں ہیں (۲)۔ مثلاً، ایک صاحب لکھتے ہیں:

> "مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر حال میں (۳) احکام شرعیہ کو مقدم رکھیں اور جوش اتحاد میں ایسے بے خود نہ ہو جائیں کہ احکام شرعیہ سے بے پروا (۴) ہو جائیں۔۔۔۔۔"

ان شاندار واعظانہ تمہیدوں کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید مسلمانان دہلی و کلکتہ نے احکام شرعیہ کی کوئی بڑی ہی خلاف ورزی کی ہے (۵) اور اب اس پر ماتم کیا جارہا ہے۔ حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جن مسلمانوں نے

ملک و ملت کے حقوق کے تحفظ کے لیے مساجد میں مجلسیں منعقد کیں اور ان میں اپنے غیر مذہب ہم سایوں اور ہم وطنوں کو بھی شریک کیا۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے ان کا طرز عمل ہرگز شریعت میں بھی قابل اعتراض نہیں۔ یہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کی ٹھیک ٹھیک تعمیل ہے (٦)۔

افتا بغیر علم کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ جو فعل مستحسن اور ہدی نبوتؐ سے ماخوذ ہے، اسے تو (٧) بدعت قرار دیا جارہا ہے اور طرح طرح کی بدعتیں علانیہ مسجدوں میں ہو رہی ہیں، انھیں (٨) کوئی نہیں روکتا، بلکہ بہت سے مدعیان علم ہیں جو انھیں (٩) عین سنت سمجھ رہے ہیں۔ احکام شرعیہ کی تقدیم و پابندی تو عین مطلوب ہے (١٠) لیکن اس کے وعظ کا استعمال صحیح موقعہ پر ہونا چاہیے (١١)۔

شریعت کی پابندی کے معنی صرف یہی ہیں کہ شریعت کی پابندی ہو تحکم بالظن والرائی اور اعجاب کل ذی رائی برایہ کا نام شریعت نہیں ہے۔ ولا تقولو الماتصف السنتکم ھذا حلال و ھذا حرام (١٢)۔

خود اصل واقعہ بھی غلط سمجھا گیا ہے۔ جامع مسجد کے جلسے کی نسبت بیان گیا گیا ہے کہ سوامی شردھانند نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور منبر کو لوگوں نے منبر جمعہ سمجھ لیا، جو مسجدوں کے ایوان (١٣) میں ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہاں (١٤) منبر سے مقصود مکبّر کا چبوترہ ہے، جو صحن مسجد میں ہے اور اس پر منبر مصطلحہ۔ مساجد کا اطلاق کسی طرح درست نہیں۔ یہ چبوترہ بڑی بڑی مسجدوں میں بنا دیا جاتا ہے تاکہ تکبیرات انتقال ایک بلند مقام سے دہرائی جا

سکیں (۱۵)۔ پھر اگر اس چبوترے پر ایک غیر مسلم (۱۶) نے مسلمانوں کی اجازت سے کھڑے ہو کر تقریر کی تو اس میں شرعاً کیا قباحت لازم آئی؛ ومن ادعی خلافه فعلیه البیان۔

رہا اصل مسئلہ یعنی غیر مسلموں کا مسجدوں میں داخل ہونا، تو معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ نہ صرف داخل ہونا جائز ہی ہے (۱۷) بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اگر مصالح مقتضی ہوں (۱۸) تو انھیں مسجدوں میں (۱۹) بہ طور مہمان کے ٹھیرایا بھی جا سکتا ہے (۲۰) اور مسلمانوں کا جو امام یا مسلمانوں کی جو جماعت مصالح کی رعایت (۲۱) کے ساتھ ایسا کرتی ہے وہ ٹھیک ٹھیک اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتی ہے جو صاحب شریعت صلعم نے امت کو دکھایا ہے۔ فخیر الهدی هدی محمدؐ و شر الامور محدثاتها۔

حواشی:

(۱) یہاں جملہ اس طرح تھا: "مساجد کی توہین کی گئی اور اسلامی عبادت گاہ کے احترام کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا وغیر ذلک۔ (۲) اضافہ: بڑی شاندار، حذف: اور شان دار عنوانات قائم کیے ہیں۔ (۳) جملہ اس طرح تھا: مثلاً؛ مسلمانوں کو ہر حال میں چاہیے کہ ....، اضافہ: ایک صاحب لکھتے ہیں۔ (۴) تصحیح: پرواہ۔ (۵) جملہ اس طرح تھا: کوئی بڑی ہی خلاف ورزی احکام شریعہ کی کی ہے۔ (۶) یہاں یہ عبارت تھی جو حذف ہو گئی: اس دور فتن و بدعات میں اگر مسلمانوں کی کسی جماعت نے کوئی بہتر سے بہتر کام کیا ہے تو وہ یہی ایک کام ہے کہ مقاصد صالحہ سے مسجدوں میں مجالس منعقد کیں اور اپنے غیر مذہب ہم سایوں یعنی ہندوؤں کو بھی اس مقصد سے ان میں شریک کیا، جس مقصد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب کے صلح پسندوں اور دوستوں کو مسجد میں

بلاتے اور ٹھہراتے تھے۔" اب یہاں یہ عبارت اضافہ کی گئی ہے: جن مسلمانوں نے ...... تا ...... تعمیل ہے۔(۷) تبدیلی: اس کو۔(۸) اس مقام سے یہ عبارت حذف کی گئی ہے: مثلاً انعقاد مواسم و محافل بدعیہ، رفع الصوت و بیع و شرا. فی المسجد، و ہجوم مساکین و سائلین و حرج فی الجماعت و سکونت فساق و تارکین صلوۃ و صلاتان معاً و غیر ذالک، اور لفظ "ان کو" بدل دیا گیا۔(۹) تبدیلی: ان کو۔(۱۰) حذف: مقصود۔(۱۱) اس مقام پر یہ عبارت حذف کر دی گئی: ان حضرات کو سب سے پہلے اپنی نسبت فیصلہ کر لینا تھا کہ کہیں وہ خود تو حدود شرع سے متجاوز نہیں ہو رہے ہیں؟ (۱۲) قرآن حکیم، سورہ. نحل، آیت ۱۲۶۔(۱۳) تبدیلی: وہاں۔(۱۴) اضافہ: یہاں۔(۱۵) یہاں جملہ اس طرح تھا: کو ایک بلند مقام سے دہرایا جاسکے۔(۱۶) حذف: دوست۔(۱۷) تبدیلی: ہی جائز۔(۱۸) تبدیلی: ان کو۔(۱۹) حذف: عارضی طور پر۔(۲۰) تبدیلی: ٹھہرانا بھی جائز ہے۔(۲۱) تبدیلی: رعایت مصالح اخریٰ۔

فصل اول :

مسجد نبوی میں غیر مسلموں کا داخل ہونا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر مجالس اور صحبتیں مسجد نبوی ہی میں منعقد ہوتی تھیں ۔ بسا اوقات غیر مسلم آتے تھے اور بلا کسی روک ٹوک کے ان صحبتوں میں شریک ہوتے تھے ۔ یہ غیر مسلم دوست اور حلیف نہ تھے، بلکہ بسا اوقات دشمنوں اور محاربین میں سے ہوتے (۱)۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ، مبارک مسجد سے متصل تھا جو لوگ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، انھیں (۲) بعض اوقات مسجد میں (۳) انتظار کرنا پڑتا تھا اور ان لوگوں میں غیر مسلم بھی ہوتے تھے ۔ یہ امور ضمناً متعدد روایات سے مستنبط ہوتے ہیں ۔ آپؑ کے بعض یہودی قرض داروں نے مسجد میں آکر تقاضا کیا ہے اور آپؑ نے اپنے حلم اور خلق کی وجہ سے ان کا (۴) حق طلب و تقاضا (۵) تسلیم فرمایا ہے ۔ غیر مسلم اقوام سے پولٹیکل علائق، سفر کا ایاب و ذہاب، معاہید و مواثیق کی مجالس شوریٰ، عرائض و شکایات مسلمین و غیر مسلمین، یہود مدینہ اور مشرکین اطراف و جوانب سے پولٹیکل تعلقات کی گفت و شنید، یہ اور اسی طرح کے تمام معاملات مسجد نبوی میں طے پاتے تھے ۔ خود مسلمانوں کو آپؑ نے مسجد کے متعلق متعدد معاملات میں تنبیہ فرمائی اور انھی سے احکام احترام و آداب (۶) مسجد مستنبط ہوئے ۔ مثلاً؛ تیز بو کی چیز کھا کر مسجد میں آنا، گم شدہ

آدمی یا حیوان کو پکارنا یا خرید و فروخت کرنا (۷)۔

مگر ایک واقعہ بھی ایسا موجود نہیں جس سے ثابت کیا جاسکے کہ آپؐ نے کسی غیر مسلم کو صرف اس بنا پر مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہے ۔ آپؐ کے زمانے میں اور آپؐ کے بعد خلیفہ دوم تک ، تمام سرکاری عمارتوں کا کام مسجد نبوی ہی دیتی تھی اور غیر مسلم اقوام و قبائل کے جس قدر وفد (ڈیپوٹیشن) اور سفرا آتے تھے وہ یا تو مسجد میں ٹھیرائے جاتے تھے یا شہر کے مسلمانوں کے ہاں ۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری مہمان سرا بنائی جیسا کہ مقریزی اور عسکری نے لکھا ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں تصریح کی ہے کہ ؛

"مدینہ کی مہمان سرائے ۱۷ ہجری میں حضرت عمرؓ کے حکم سے تعمیر ہوئی ۔ اس سے پہلے نہ تھی اور مہمان مسجد ہی میں ٹھیرائے جاتے تھے (۷)۔"

حواشی :

(۱) اضافہ : یہ غیر مسلم ...... تا ...... ہوتے ۔ (۲) تبدیلی : "ان کو" ۔ (۳) حذف : "آپ کو" ۔ (۴) تبدیلی : "ان کے" ۔ (۵) حذف : "کو" ۔ (۶) تبدیلی : "حقوق" ۔ (۷) مثلاً، کے بعد کی یہ عبارت حذف کر دی گئی : "منع اکل بصل وثوم ومنع انشاد ضالہ ومنع بیع وشراء وغیر ذلک" اور اس کی جگہ مندرجہ متن عبارت اضافہ کی گئی ۔ اضافہ شدہ عبارت عربی ہی کا ترجمہ ہے ۔ صرف "انشاد ضالہ" کا ترجمہ (گمراہانہ نغمہ سرائی) چھوڑ دیا ہے ۔ (۸) اضافہ : اس سے پہلے ...... تا ...... جاتے تھے ۔

فصل دوم:

واقعہ وفدِ نجران

ازاں جملہ وفد نجران کا واقعہ ہے - جو صحاح و سیرت میں بہ تفصیل موجود ہے اور جس کی نسبت سورہ آل عمران کی آیات مبارکہ نازل ہوئیں -(۱)

نجران (یمن) میں عیسائی آباد تھے - اسلام کا پیام دعوت پہنچا تو آمد و رفت شروع کی، دوسری مرتبہ وفد آیا تو اتوار کا دن تھا اور شام قریب تھی - مسجد نبوی میں پہنچے تو انھوں نے چاہا (۲) پہلے اپنی نماز ادا کر لیں - بعض مسلمانوں پر یہ بات ناگوار گزری کہ اسلام کی عبادت گاہ میں عیسائیوں کو مسیحی عبادت کی اجازت (۳) دی جائے - انھوں نے روکنا چاہا، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مت روکو، نماز پڑھنے دو -"

چناں چہ وفد کے تمام عیسائیوں نے پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی - زادالمعاد میں ہے:

"لما قدم وفد نجران علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علیہ مسجدہ بعد العصر فحانت صلاتہم فقاموا یصلون فی مسجدہ فاراد الناس منعھم فقال رسول اللہ دعوھم فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتہم -"

اس واقعے سے کئی باتیں ثابت ہوئیں:

اولاً، یہ کہ غیر مسلم مسجد میں بلائے جاسکتے ہیں۔ نجران کے وفد کے ارکان رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ مگر آں حضرتؐ نے ان کو مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا۔

ثانیاً، اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی مسجد میں اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنی چاہے (۴) اور کوئی فعل ایسا نہ کرے جو بت پرستی کا ہو، تو اسے اجازت دی جاسکتی ہے (۵)۔ الا یہ کہ اس سے کسی فساد (۶) کا اندیشہ ہو۔ مسجد خدا کی عبادت کے لیے ہے۔ پس اس کا ہر بندہ وہاں (۷) عبادت کر سکتا ہے (۸)۔

مسیحی نماز کے تین رکن ہیں؛ تلاوت، سجدہ، دعا۔
پس انھوں نے اپنے طریق پر یہی کیا ہوگا۔

ثالثاً، روایات سے ثابت ہے کہ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے۔ ساٹھ آدمیوں کی جماعت اچھی خاصی جماعت ہے۔ نماز پڑھی ہوگی تو بہت نمایاں حالت ہوگی۔ کچھ یہ بات نہ تھی کہ ایک دو آدمیوں نے کسی گوشے میں چپکے سے کوئی کام کیا اور چل دیے۔ بایں ہمہ آپؐ نے اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ اپنی نمایاں اور ممتاز شکل میں بھی احترام مسجد کے خلاف نہ تھا، ورنہ آپ ضرور روکتے (۹)۔

حافظ ابن قیم نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعے کے فقہ پر بھی بحث کی ہے:

"ففیہا جواز دخول اهل الکتاب مساجد المسلمین وفیه تمکین اهل الکتاب من صلاتهم بحضرة المسلمین وفی مساجدهم ایضاً اذا کان عارضاً و لا یمکنوا من اعتیاد ذالک۔"

(جلد دوم، صفحہ ۲۹ ـ مطبوعہ مصر)

رابعاً، اس واقعے سے ان مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہیے ۔ جو چند جزئی اختلافات کی بنا پر خود مسلمانوں کو اپنی مسجدوں میں آنے سے روکتے ہیں، اس کے لیے مقدمہ بازیاں کرتے ہیں اور ومن اظلم ممن منع مساجد الله ..... الخ (۱۰) کی وعید میں داخل ہوتے ہیں (۱۱)۔

حواشی:

(۱) حذف: واحتجاج اہل کتاب بالاتفاق ۔ (۲) حذف: کہ ۔ (۳) حذف: "کیوں" (۴) تبدیلی "کرنا" ۔ (۵) اس جگہ پہلے یہ عبارت تھی: محسوس و مشہود بت پرستی کا یا خلاف احترام مسجد نہ کرے، تو شرعاً اس کو نہیں روکنا چاہیے ۔ (۶) حذف: و مضرت یا عادت و التزام یا قبضہ و تمکین ۔ (۷) اضافہ: وہاں ۔ (۸) حذف: لیکن شرک عبادت نہیں ہے، عبادت کی ضد ہے ۔ اس لیے شرک و بت پرستی کی اجازت عبادت گاہ میں نہیں دی جاسکتی ۔ (۹) یہ عبارت حذف کر دی گئی: اور ظاہر ہے کہ خلاف اسلام کیوں ہوتا ۔ اسلام قیام عبادت کے لیے آیا، نہ کہ منع عبادت کے لیے یہود و نصاریٰ پر سب سے بڑا الزام تو اس نے یہی لگایا کہ رسمی عبادت کرتے ہیں ۔ مگر وہ شے جس کا نام "قیام عبادت" ہے مفقود ہو گئی ہے ۔ (۱۰) قرآن حکیم، سورہ بقرہ، آیت ۱۱۴ ۔ (۱۱) حذف: اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ ۔

فصل سوم:

واقعہ وفد ثقیف

اگر یہ کہا جائے کہ اس واقعے سے صرف اہل کتاب کے لیے جواز ثابت ہوتا ہے، نہ کہ غیر اہل کتاب (۱) کے لیے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ فتح مکہ کے بعد جب قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں (۲) نہ صرف مسجد میں آنے دیا، بلکہ بہ حیثیت مہمان کے مسجد ہی (۳) میں ٹھیرایا (۴) اس وقت بھی بعض لوگوں کو اس پر وہی شبہ ہوا تھا، جو آج لوگوں کو ہو رہا ہے اور دنیا میں سمجھ کی طرح نا سمجھی کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا: انزلھم فی المسجد وھم مشرکون؟

"آپ ان کو مسجد میں ٹھیراتے ہیں حالاں کہ وہ مشرک ہیں؟"

فرمایا: ان الارض لا تنجس "زمین انسانوں کے چھوت (۵) سے ناپاک نہیں ہو جاتی (۶)"۔

ابو داؤد اور امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے (جو خود شریک وفد تھے) روایت کیا ہے:

"ان وفد ثقیف لما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انزلھم فی المسجد لیکون ارق لقلوبھم" ۵

اسی روایت کو بہ تغیر بعض الفاظ طبرانی نے بھی اوسط میں لیا ہے اور

ابوداؤد نے یہ روایت حسن مرسلاً اس پر اس قدر زیادت کی ہے :ان وفد ثقیف اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضرب قبۃ فی المسجد لینظروا الی صلوۃ المسلمین فقیل لہ یا رسول اللہ انزلتھم فی المسجد وھم مشرکون ؟ فقال ان الارض لاتنجس انما ینجس ابن آدم ۔ چوں کہ صاحب ہدایہ نے اس واقعے سے جواز (۷) پر استدلال کیا ہے، اس لیے اس کی تخریج میں زیلعی نے تمام طرق حدیث جمع کر دیے ہیں (۸) ۔ اس وقت میرے پاس نہ نصب الرایہ ہے اور نہ حافظ عسقلانی کی درایہ، لیکن اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا، تو عطیہ بن سفیان کی روایت میں ہے :قدم وفد ثقیف فی رمضان فضرب لھم قبۃ فی المسجد (او کما قال)

یعنی یہ وفد رمضان میں آیا تھا ۔ پس ان کے قیام کے لیے آں حضرت صلعم نے ایک خیمہ مسجد نبوی میں نصب کرا دیا ۔

اس واقعے میں متعدد امور قابل غور ہیں؛

اولاً، جب یہ وفد آیا تو مغیرہ بن شعبہ نے آں حضرت صلعم سے درخواست کی کہ مجھے ان کے ٹھیرانے اور خدمت کرنے کا موقع دیا جائے ۔

آپؐ نے فرمایا :ان کی خدمت (۹) سے نہیں روکتا، لیکن ایسی جگہ ٹھیراؤ جہاں سے قرآن سن سکیں ۔ فقال لا امنعک ان تکرم قومک ولکن انزلھم حیث یسمعون القرآن (زادالمعاد)

اس سے معلوم ہوا کہ (۱۰) مسجد میں ٹھیرانا کسی مجبوری و عذر کی بنا پر نہ تھا بلکہ قصداً ٹھیرایا گیا اور اس کی ایک خاص علت تھی، یعنی قرآن پاک کا

سنانا (۱۱)۔

ثانیاً، یہ وفد فتح مکہ کے بعد ۹۔ ہجری میں آیا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ اذا جاء نصر اللہ و الفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (۱۲) کا پورا پورا ظہور ہو چکا ہے۔ پس یہ وقت غلبہ و شوکت کا تھا اور خود وفد عاجزانہ اور مفتوحانہ آرہا تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ عجز و درماندگی کی وجہ سے بہ نظر تالیف قلب انھیں مسجد میں ٹھیرادیا (۱۳)۔

ثالثاً، معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام ارکان مشرک تھے اور مشرک بھی کیسے۔؟ اشدِ شدید! اور بغض اسلام میں مشہور و ممتاز۔ اس وفد کا سردار ابن عبدیالیل تھا اور اس شخص کا یہ حال ہے کہ ابو طالب کے انتقال کے بعد جب قریش مکہ کا ظلم و جور اس حد تک پہنچ گیا کہ آں حضرت صلعم کے لیے مکہ میں رہنا بھی دشوار ہو گیا تو آپؐ نے طائف کا سفر کیا کہ شاید باہر کے قبائل حق کا ساتھ دیں۔ لیکن جب قبیلہ ثقیف کی بستی میں پہنچے تو اسی عبدیالیل اور اس کے دونوں بھائیوں نے آپؐ کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ طائف میں دم لینے کی بھی (۱۵) مہلت نہ دی۔ دعوتِ حق کا یہ جواب ملا کہ "اما وجد اللہ احدا یرسلہ غیرک؟ "کیا خدا کو تمھارے سوا اور کوئی آدمی نہ ملا جسے (۱۶) پیغمبر بنا کر بھیجتا؟" جب آپؐ واپس ہوئے تو بستی کے لڑکوں اور غلاموں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا کہ تضحیک و تحقیر کریں۔ انھوں نے آپؐ پر کیچڑ پھینکا اور (۱۷) اس جسم مقدس کو، جس کے بقا پر تمام کرہ ارضی کی سعادت و ہدایت کی بقا موقوف تھی، پتھروں کی بوچھاڑ سے زخمی کر دیا گیا (۱۸)۔ پیشانی مبارک کا خون بہہ کر

پائے مبارک کو رنگین کر رہا تھا اور یہ دعا وردِ زبان تھی - اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین ! یعنی

بجرم عشق توام می کشند غوغا ئیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

اس کے بعد جنگ ہوازن و ثقیف کے جو واقعات پیش آئے، کتبِ سیرت کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں - جنگ ہوازن کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی مدینہ آیا اور مشرف بہ اسلام ہوا - مسلمان ہونے کے بعد تبلیغ حق کے عشق نے چین سے بیٹھنے نہ دیا - آں حضرت صلعم روکتے رہے اور وہ اپنی قوم کی محبت کے اعتماد پر طائف واپس گیا اور دعوتِ اسلام شروع کر دی - لیکن ثقیف نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ایک دن عین حالت نماز میں شہید کر دیا - یہ حال تو اسلام اور اہل اسلام کی عداوت کا تھا -

شرک و جاہلیت کے جمود و تصلب کا یہ حال تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد یہ وفد آیا اور مسجد کے قیام، کلام الہیٰ کی سماعت و جماعت صلوۃ کے نظارے اور آں حضرت کے خلق عظیم کے اسلحہ۔ محبت سے مسخر ہو کر اسلام لانے کے لیے آمادہ ہو گیا تو گو اسلام کی صداقت کا اعتراف تھا، لیکن پھر بھی بت پرستی اور جاہلیت کا کانٹا دل سے نہیں نکلتا تھا - چاہتے تھے کہ اپنی شرطیں منوا کر مسلمان ہوں - پہلے کہا کہ نماز کی پابندی سے (۱۹) مستثنیٰ کر دیجیے - فرمایا : "لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع "یعنی (۲۰)" وہ دین ہی کیا جس میں خدا کے سامنے جھکنے والی پیشانی نہ ہو - " پھر کہا : اچھا زنا کے بغیر تو چارہ نہیں -

ہماری قوم کے لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں - فرمایا :انه کان فاحشة وساء سبیلا (۲۱) پھر کہا :سود چھوڑنا تو مشکل ہے - شراب تو ہماری غذا ہے - فرمایا : اتقوا الله وذروا ما بقی من الربا (۲۲) اور رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه (۲۳)- جب ان ساری شرطوں میں سے کوئی بھی (۲۴) نہ چلی تو آخر میں کہا (۲۵) اچھا ساری باتیں منظور، مگر ربہ کو (۲۶) ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں ڈھا سکتے - ربہ - یعنی دیبی، رب کا مونث - یہ بات آں حضرت صلعم نے منظور کر لی (۲۷) اور خالد بن ولید کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا کہ طائف کی دیبی (۲۸) منہدم کر دیں - حضرت خالدؓ نے مندر کی زمین تک کھود ڈالی، مگر یہ لوگ برابر یہی کہتے رہے کہ دیبی کی بے حرمتی کا وبال آئے گا - ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ سخت شرک پرست (۲۹) اور اسلام کی عداوت میں کس درجے سخت تھے (۳۰)- با ایں ہمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (۳۱) مسجد میں ٹھیرایا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جس قلعہ، طائف کو مسلمانوں کی منجنیق چالیس دن تک سنگ باری کر کے بھی فتح نہ کر سکی، اس کے بسنے والوں کے دلوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم، اسلام کی رواداری (۳۲) مسجد کے قیام اور اسلامی عبادت کے نظارے نے چند گھنٹوں کے اندر فتح کر لیا - لوہے کی تلوار کو سپر پر روکا جا سکتا ہے، لیکن محبت کی تلوار کے لیے کوئی سپر نہیں -

درس وفا اگر بود زمزمہ، محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پاے را

مسلم میں بہ روایت حضرت عائشہؓ ہے کہ آں حضرت صلعم سے پوچھا: هل اتی علیک یوم کان اشد من یوم احد؟ جنگ احد والے دن سے بھی بڑھ کر کوئی مصیبت و شدت کا دن آپ پر آیا ہے؟ فرمایا: ہاں! یوم العقبه اذعرضت نفسی علی ابن عبد یالیل بن عبد کلال فلم یجبنی الی ما اردت۔ "وہ دن جب میں طائف گیا اور اعانت و قبول حق کی امید سے اپنی دعوت ابن عبد یالیل کے سامنے پیش کی اور اس نے میری کچھ پروا نہ کی۔ وہ دن احد کے دن سے بھی میرے لیے سخت (۳۳) تھا۔ (۳۴) آپؐ کے اس ارشاد سے اندازہ کرو کہ ثقیف نے آپؐ کے ساتھ کیسا ظالمانہ و وحشیانہ سلوک کیا تھا کہ اپنی ساری زندگی کے (۳۵) مصائبِ عظیمہ میں جو دعوتِ حق (۳۶) کی راہ میں پیش آئے۔ طائف کی گھاٹیوں والی مصیبت کو اشد فرمایا۔

اسی روایت میں ہے کہ باوجود تمام شدائد کے آپؐ نے فرمایا تھا: ارجو ان یخرج الله من اصلابهم من یعبد الله وحده لا یشرک به شیئاً یعنی "اس پر بھی میں ان لوگوں کے لیے بددعا نہیں کروں گا۔ میں نے صدائے حق کا بیج ڈال دیا ہے (۳۷) آج نہیں تو کل پھل لائے گا (۳۸)۔

غزوہ طائف میں جب قلعہ مسخر نہ ہوا اور مختلف مصالح متقاضی ہوئے کہ حصار اٹھالیا جائے تو لوگوں نے کہا:

"ادع الله علی ثقیف۔ "ثقیف کے لیے اللہ سے التجا کیجیے۔

فرمایا: اللهم اهد ثقیفاً و ات بهم "خدایا ثقیف کے دلوں کو حق کے لیے کھول دے۔"

چناں چہ وہی ہوا - جن لوگوں نے پتھر پھینکے تھے خود دوڑے دوڑے آئے کہ حق کے بے پناہ تیروں سے اپنے دلوں کو دو نیم کر دیں - یہ تیر ان دشمنوں پر کہاں چلائے گئے؟ میدان جنگ میں؟ نہیں خدا کی مقدس عبادت گاہ کے صحن میں - ضربوا الهم خيمة في المسجد -

جن لوگوں نے منجنیق کے پتھروں سے اپنی دیواروں کو بچا لینے کا بندوبست کر لیا تھا وہ ان تیروں سے اپنے دلوں کو نہ بچا سکے - عثمان بن ابی العاص راتوں کو چھپ چھپ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آتے اور قرآن سیکھتے - یہ تھا وہ ہدی نبوتؑ اور اسوہ حسنہ رسالتؑ جس نے فھی کالحجارة او اشد قسوہ (۳۹) کو بھی موم بنا کر پگھلا دیا - اس کے مقابلے میں آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ان کے ہمسایے اور شریک وطن (۴۰) ان کی مسجدوں میں خود بخود دوڑے آتے ہیں، کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں (۴۱) نماز جنازہ کی صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو تسویہ صفوف کی خدمت خود انجام دیتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے پانی دے کر نمازیوں کو وضو کرا دیتے ہیں، جیسا کہ اجمیر میں پیش آیا (۴۲) مسجد کے چبوترے پر کھڑے ہو کر پکارتے ہیں کہ ہم سب ایک کے بندے اور ایک ہی گھرانے کے بھائی ہیں - مگر مسلمان ہیں کہ اس نعمتِ الہٰی پر سجدہ شکر بجا لانے اور آنے والوں کو اور زیادہ اپنے طرف کھینچنے کی جگہ ناک بھوں چڑھا رہے ہیں کہ ہماری مسجد غیروں کی چھوت سے ناپاک (۴۳) ہو گئی -

غور کرو - پہلے کی کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے؟ جب حالت میں

انقلاب ہواتو نتائج میں بھی انقلاب لازمی ہے:

سارت مشرقۃ وسرت مغرب
شتان بین مشرق و مغرب

حواشی:

(۱) حذف: غیر مسلموں۔(۲) تبدیلی: ان کو۔(۳) اضافہ: ہی (۴) حذف: اور چند گھنٹوں کی شرکت مجالس اور کئی دن کے متصل قیام میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے۔(۵) تبدیلی: مس و قیام۔(۶) حذف: اور مسجد زمین و مکان کے ایک مخصوص ٹکڑے ہی کا نام ہے۔ یعنی نجاست، دل کی نجاست اور گندگی. اعتقاد کی گندگی ہے۔(۷) حذف: دخول۔(۸) اضافہ: ہیں۔(۹) حذف: وتکریم۔(۱۰) حذف: ان کو۔(۱۱) یعنی، کے بعد کا یہ جملہ اضافہ ہے۔اس مقام سے یہ جملہ حذف کر دیا گیا: سماعِ قرآن و نظارہ۔ صلوۃ کما سیاتی بیانہ۔ (۱۲) قرآن حکیم، سورہ۔ فتح، آیت نمبر ۱، ۲۔(۱۳) اضافہ: انھیں مسجد میں ٹھہرا دیا ہو۔ حذف: واعزاز و تکریم مخالف ان کو ٹھہرایا ہو۔(۱۴) حذف: وصاحب اسلام اور تعصب فی الشرک والجاہلیۃ میں مشہور و معروف۔ اضافہ: میں مشہور و ممتاز۔(۱۵) اضافہ: بھی۔(۱۶) تبدیلی: جس کو۔(۱۷) اضافہ: اور۔(۱۸) اضافہ: گیا۔(۱۹) حذف: ہم کو۔(۲۰) اضافہ: یعنی۔(۲۱) قرآن حکیم، سورہ۔ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۳۲۔(۲۲) قرآن حکیم، سورہ۔ بقرہ، آیت نمبر ۲۷۸۔(۲۳) قرآن حکیم، سورہ۔ مائدہ، آیت نمبر ۹۰۔(۲۴) اضافہ: بھی۔(۲۵) حذف: کہ۔(۲۶) حذف: تو۔(۲۷) پہلے یہ جملہ اس طرح تھا: اس بات کو آں حضرتؑ نے منظور کر لیا۔(۲۸) حذف: کو۔(۲۹) تبدیلی: بت پرست۔(۳۰) تبدیلی: سنگ دل۔ (۳۱) حذف: ان کو (۳۲) تبدیلی: مسامحت۔(۳۳) تبدیلی بہ لفظ: اشد۔(۳۴) یہ عبارت حذف کر دی گئی: تن تنہا بے یار و مددگار طائف کی گھاٹیوں میں پھر رہا تھا اور ایک انسان بھی نہ تھا جو مجھ پر ہمدردی اور ترس کی نظر ڈالتا۔(۳۵) حذف: ان۔(۳۶) تبدیلی:

دعوت الی الحق۔ (۳۷) حذف: اور۔ (۳۸) یہ عبارت حذف کر دی گئی: یہ لوگ اگر بت پرستی پر مٹے ہوئے ہیں تو ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو حق کو قبول کریں گے اور اللہ کی پرستش کے سوا ان کی کوئی پرستش نہ ہو گی۔ (۳۹) قرآن حکیم، سورہ بقرہ، آیت نمبر ۴۷۔ (۴۰) اس مقام سے یہ جملہ حذف کر دیا گیا: عشق و محبت کے جوش سے بے خود ہو کر۔ (۴۱) یہاں سے یہ جملہ حذف کر دیا گیا: خود کہتے ہیں کہ ہم بھی تمھارے ساتھ تمھاری نماز پڑھیں گے۔ (۴۲) اضافہ: جیسا کہ اجمیر میں پیش آیا۔ (۴۳) تبدیلی: بے احترام۔

خارج:

اشاعتِ اول میں "یہ فصل چہارم" تھی۔ مصنف نے اس میں ایک لفظ کی تبدیلی اور ایک جملے کے حذف کے بعد اسے خارج کر دیا۔

مسلمانوں کا طرزِ عمل اور اس کے نتائج

حقیقت یہ ہے کہ آج اشاعتِ اسلام میں سب سے بڑی روک مسلمانوں کا یہی طرزِ عمل ہے اور یہ نتیجہ ہے۔ قرآن و سنت کے علم و عمل حق سے بعد اور ہدی نبوت سے جہل و غفلت کا، یا بالفاظ مختصر علمائے حق و راسخین فی العلم کے فقدان کا!

افسوس! خود مسلمانوں کو اسلام کی قوت و صداقت پر بھروسا نہ رہا۔ نادان سمجھتے ہیں کہ دوسروں سے اگر ہم ملیں گے تو ہم ان میں جذب ہو جائیں گے۔ انھیں (۱) اپنے میں جذب نہیں کر سکیں گے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس وہم فاسد سے بڑھ کر اور کوئی خیال اسلام کے لیے مایہ۔ صد توہین و تذلیل نہیں ہو سکتا۔

اگر مسلمانوں کے پاس لوہا نہیں بلکہ مقناطیس ہے تو مقناطیس اور لوہے کا جب آمنا سامنا ہوگا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ لوہا مقناطیس کی طرف کھنچے گا۔

یہ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات میں اللہ اور اس کے دین حق کی نسبت سوءِ ظن، ظن الجاہلیت اور ہر معاملے میں خود اپنے نفس پر بحکم وشھدوا علیٰ انفسھم (۲) شہادت بطلان وضعف وہلاکت؟ فالی اللہ المشتکی (۳)

حواشی:

(۱) تبدیلی: ان کو۔ (۲) قرآن حکیم، سورہ۔ انعام، آیت نمبر ۱۳۱۔ (۳) حذف: ثم الی اللہ المشتکی۔

فصل چہارم :

وفد ثقیف کے قیام فی المسجد کی تعلیل

وفد ثقیف کی روایات پر غور کرو۔ مسجد میں ٹھیرانے کی علت کیا بتائی گئی؟ (۱) مغیرہ کو کہا کہ وفد کی تکریم سے نہیں روکتا۔ لیکن "انزلھم حیث یسمعون القرآن" اور ابوداؤد و احمد و طبرانی کی روایت میں ہے: "لیکون ارق لقلوبھم اور ایک روایت میں ہے: "لکی یسمعوا القرآن ویروا الناس اذا صلوا" (ابن ہشام)۔ یعنی وفد کو مسجد میں اس لیے ٹھیرایا کہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف ہو سکیں، قرآن کی صدائیں ان کے کانوں میں پڑیں، مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں اور خدا کی سچی اور فطری عبادت کی خوبیاں ان کے دلوں میں راہ پیدا کریں۔ اس ایک بات سے بے شمار فردعات طریق دعوت الی الحق (۲) مستنبط ہوتے ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں (۳)۔ ازاں جملہ یہ کہ اسلام کو اپنی صداقت و حقیقت کی طاقت پر پورا بھروسا ہے اور قانون الہیٰ یہ ہے کہ ہر قوی ضعیف کو اپنی طرف کھینچتا اور ہر طاقت کمزور پر چھا جاتی ہے۔ قوت میں فاعلیت ہے اور کمزوری میں انفعال اور قوت و ضعف میں اعتبار کیفیت کا ہے نہ کہ مجرد کمیت کا۔ اسی قانون جذب و انجذاب اور فعل و انفعال (۴) پر کارخانہ وجودِ ہستی کے تمام حوادث و اعمال کا دارومدار ہے اور یہ قانون مادہ و جسم کی طرح تمام معقولات اور معنویات

میں بھی ٹھیک (۵) جاری و ساری ہے۔

پس اسلام کا دعویٰ ہے کہ "وہ قوت ہے، طاقت ہے، اصلح ہے، امثل ہے۔ اس لیے جب کبھی اسلام اور غیر اسلام میں قرب ہو گا تو اسلام اپنے ماسویٰ کو کھینچ گا (٦)۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام کو غیر اسلام اپنے میں جذب کر لے۔ اگر ایسا ہو تو قانون الہیٰ باطل ہو جائے اور اگر یہ قانون باطل ہو تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہی معنی ہیں اس آیہء کریمہ کہ: "ولو اتبع الحق اهوانهم لفسدت السماوات والارض (۷) اور یہی معنی ہیں لیظہره على الدين كله (۸) کے، جس کی تفسیر میں لوگوں کو کیا کیا حیرانیاں نہیں ہوئیں، حالاں کہ بات بالکل صاف اور قدرتی تھی۔ اس عالم میں بقا صرف اصلح کے لیے ہے اور بالآخر تمام غیر اصلح عقائد و اعمال کو ختم ہو جانا ہے (۹) والعاقبة للمتقين اور فیصلہ حق و باطل کی یہی سب سے بڑی شہادت ہے قل ای شیء اکبر شهادة قل الله شهيد بيني و بينكم (۱۰) اور یہی معنی ہیں اس آیت و امثالہا کے کہ اعملوا على مكانتكم انى عامل فسوف تعلمون من تكون له عاقبة الدار؟ (۱۱) اور یہ کہ انه لا يفلح الظالمون (۱۲) اور ان الله لا يهدى القوم الفاسقين (۱۳) و امثال هذا فى الكتاب و السنة

اسی اصل الاصول کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے اپنے تمام عقائد، اعمال، مکانات اور (۱۴) اجتماعات میں دوسرے مذہبوں کی طرح کوئی راز اور مخفی بات نہیں رکھی۔ اس کی ساری باتیں دوپہر کے سورج کی طرح کھلی اور چمکیلی ہیں۔ اس کی عبادت گاہوں میں کوئی بھید نہیں، جس کے کھل جانے کا اسے

(۱۵)ڈر ہو - دل اور روح کو چھوڑ کر اس نے زمین اور مٹی کی کوئی ایسی پاکی اور ستھرائی نہیں بنائی ہے جو کسی جسم (۱۶) یا اس کے سایے کی چھوت سے ناپاک ہو جائے - وہ ایک بے باک طاقت اور کامل حسن کی طرح سب کو دعوت دیتا اور بلاتا ہے کہ آئیں، دیکھیں، اور مفتون ہوں - اس کی صداقت کی دعوت اس کی ہر چیز میں ہے - صرف چند چنے ہوئے واعظوں کی بولیوں ہی میں محصور نہیں ہے (۱۷)- ایک مسلمان کا وجود یک سر دعوت و وعظ ہے، بشرطے کہ وہ مسلمان ہو - ایک مسجد اور اس کی سادہ اور بے نقش و اشکال دیواریں مجسم وعظ و حق ہیں، جب کہ امام قرآن پڑھ رہا ہو - اس کے نمازیوں کی صفوں کے نظارہ وحدت سے بڑھ کر کوئی خطبہ، تبلیغ اور درس دلائل نہیں، جب کہ ایک ہی خدا کے بندے "بنیان مرصوص" کی طرح کاندھے سے کاندھا جوڑے کھڑے ہوں اور خدا کی قائم کی ہوئی انسانی اخوت کو بحکم "یشد بعضہ بعضا" (۱۸) دکھلا رہے ہوں - پس وہ انسانوں کو اپنی ہر بات دکھلانا اور ہر مقام پر بلانا اور ہر راہ میں اپنے سے جوڑنا اور ہر شکل میں اپنے سے قریب کرنا چاہتا ہے (۱۹)- قرب و اتحاد میں اس کے لیے خوف نہیں ہے کہ وہ غیروں سے بھاگے اور الگ رہے - (۲۰) اس کا سارا رونا تو یہی ہے کہ لوگ اس کی سنتے نہیں، اسے (۲۱) دیکھتے نہیں، اس میں آتے نہیں، اس کی طرف گردن موڑتے نہیں - لو وار ءوسھم ور اینتھم یصدون وھم مستکبرون (۲۲) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی عبادت گاہ کی (۲۳) طرف پیار اور اخلاص سے بڑھیں اور وہ ان پر اپنا گھر بند کر دے کہ تمھارے اندر آنے سے میرے گھر کی تقدیس

کو بتا لگ جائے گا!

مسجدوں کا اصلی احترام یہی ہے کہ اس میں انسانوں کی بھلائی کے لیے انسانوں کا اجتماع ہو۔ انسانوں کے نکال دینے میں اس کی حرمت نہیں، بلکہ بے حرمتی ہے، اسلام نوع انسانی کی عظمت و احترام کے لیے آیا ہے، (۲۴) تذلیل و تحقیر کے لیے نہیں آیا ہے (۲۵)۔

پس وہ کسی انسان کو بہ حیثیت ایک انسان کے نجس نہیں قرار دیتا، جس کی چھوت سے مٹی اور اینٹ ناپاک ہو جائے۔ نجاست انسان کے جسم میں نہیں بلکہ اس کے اعتقاد اور عمل میں ہوتی ہے۔ کاش جسم میں ہوتی تو دریا کا پانی اسے (۲۶) دھو دیتا اور انسان کا بنا ہوا کپڑا پونچھ دیتا۔ مگر افسوس وہ دل اور عمل کی گندگی ہے جس پر نہ تو پانی بہایا جا سکتا ہے اور نہ کوئی ہاتھ صاف کر سکتا ہے۔ اسے (۲۷) صرف خدا کا سچا ایمان اور راستی کا کامل عشق ہی پاک کر سکتا ہے (۲۸)، سو انسانوں پر اس کی راہیں بند نہ کرو!

حواشی:

(۱) یہ عبارت حذف کر دی گئی: یہ وہ تعلیل نہیں، جو تعلیل باطل ہے۔ یعنی تحکم بالظن والرائے اور حصر تعلیل بالقیاس غیر موید بالنص، بلکہ یہ وہ تعلیل ہے جو خود شارع نے بتلا دی۔ (۲) حذف: دعوت و تبلیغ اسلام اور جزئیات طرق اصلاح اقوام وامم۔ اضافہ: طریق دعوت الی الحق۔ (۳) حذف: جن کو نہایت تفصیل سے رسالہ۔ "دعوت و تبلیغ اسلام" میں لکھ چکا ہوں جو من جملہ۔ تالیفات قیام رانچی کے ہے۔ اضافہ: جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (۴) حذف: وجلب وانجلاب۔ (۵) تبدیلی: ہو بہو وہی ہی۔ (۶)

حذف اور اپنے میں جذب کرلے گا۔ (۷) قرآن حکیم، سورہ۔ مومنون، آیت ۷۱۔ (۸) قرآن حکیم، سورہ۔ توبہ، آیت ۳۳۔ (۹) حذف: مٹ جانا۔ (۱۰) قرآن حکیم، سورہ۔ انعام، آیت ۱۹۔ (۱۱) قرآن حکیم، سورہ۔ انعام، آیت ۱۳۶۔ (۱۲) ایضاً: اسی آیت کا آخری جملہ۔ (۱۳) قرآن حکیم، سورہ۔ منافقون، آیت ۶۔ (۱۴) تبدیلی و حذف: امکنہ اور مواسم و۔ (۱۵) تبدیلی: اس کو۔ (۱۶) تبدیلی: جسم و وجود اور۔ (۱۷) تبدیلی: نہیں۔ (۱۸) حذف: کتشبیک الاصابع۔ (۱۹) یہ عبارت حذف کر دی ہے: اور اس کا دعویٰ ہے کہ جو اس سے قریب ہو گا بالآخر اس میں جذب ہو جائے گا۔ (۲۰) یہ جملے حذف کر دیے ہیں۔ بلکہ غیروں کے لیے انجذاب و انفعال ہے، جس کے لیے ان کو ڈرنا اور بھاگنا چاہیے۔ (۲۱) تبدیلی: اس کو۔ (۲۲) قرآن حکیم، سورہ۔ منافقون، آیت ۵۔ (۲۳) اضافہ: عبادت گاہ کی۔ (۲۴) حذف: نہ کہ۔ (۲۵) اضافہ: نہیں آیا ہے۔ (۲۶) تبدیلی: اس کو۔ (۲۷) تبدیلی: اس کو۔ (۲۸) پہلے یہ جملہ اسی طرح تھا: "عشق پاک کر دے سکتا ہے۔"

خارج :

پہلے ایڈیشن میں یہ چھٹی فصل تھی۔اس ایڈیشن میں مصنف نے اسے حذف کر دیا۔

اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے

جہاں تک مکان اور عمارت کا تعلق ہے، اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے، اور کوئی نہیں۔پس اگر اسلام غیروں کو قبول کرنا چاہتا ہے تو مسجد ہی میں قبول کرنا پڑے گا۔آج اگر ہمارے ہندو بھائی خود اپنی محبت اور پیار سے ہماری مسجدوں میں آتے ہیں تو یہ وہ چیز ہے جس کی خود ہم کو آرزو کرنی تھی اور جس کو اول دن ہی سے شروع ہو جانا تھا۔کاش! اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا نو صدیوں سے متصل قیام بے اثر ثابت نہ ہوتا اور آج ہمارے ملک کے سارے تفرقے مٹ گئے ہوتے۔

میں جب رانچی میں نیا نیا آیا اور جامع مسجد میں جمعہ کے خطبوں سلسلہ شروع ہوا تو شہر کے بہت سے تعلیم یافتہ ہندوؤں اور وکلا وغیرہ کو تقریر سننے کا شوق ہوا۔انھوں نے کہلایا کہ کوئی ایسی صورت اختیار کیجیے کہ ہم بھی تقریر سن سکیں۔میں نے جواب دیا کہ "نظر بندی کی قیود کی وجہ سے عام مجالس کا انعقاد آپ لوگوں کے لیے موجب مشکلات ہو گا۔اگر شوق ہے تو مسجد میں کیوں نہیں آتے؟اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ مسجد میں عین جمعہ کے موقعے پر ہم لوگ کیوں کر جا سکتے ہیں؟ لیکن میں نے عین جمعہ کے دن ان کے مسجد میں آنے اور ایک مناسب مقام سے خطبہ سننے کا

انتظام کر دیا۔اس کے بعد "انجمن اسلامیہ" قائم ہوئی اور اس کی تمام مجالس بھی مسجد ہی میں منعقد ہوتی رہیں۔ان میں بھی تمام ہندو شریک ہوتے رہے۔ صرف اتنی سی بات سے جو نتائج حسنہ پیدا ہوئے وہ شاید برسوں کے وعظ و تبلیغ اور آج کل کے مجادلانہ مناظرات و مباحث سے بھی پیدا نہ ہوتے اور ان کا اندازہ ابھی باہر کے لوگ نہیں کر سکتے، جب تک ایک بڑی طولانی سرگذشت نہ سنائی جائے۔

خارج:

ذیل کی عبارت جامع الشواہد کے پہلے ایڈیشن میں ساتویں فصل کے طور پر آئی تھی۔اس ایڈیشن میں مصنف نے اسے حذف کر دیا۔

خدا کی ساری زمین اسلام کے لیے مسجد ہے

من جملہ خصائص خمسہ۔ اسلام کے یہ ہے کہ

"جعلت لی الارض مسجداو طہورا (بخاری)

"خدا کی ساری زمین اسلام کے لیے مسجد ہے"

ہر جا کنیم سجدہ، بہ آں آستاں رسد!

جس اسلام کی اس وسیع اور غیر محدود عبادت گاہ کو ہزاروں قوموں اور مذہبوں کا رہنا اور بسنا ناپاک نہ کر سکا، اس کی چار دیواری کے اندر گھری ہوئی عبادت گاہ کو غیر مسلموں کا داخل ہونا کب بے احترام کر سکتا ہے؟

فصل پنجم :

ثمامہ بن آثال کا واقعہ

اور من جملہ ادلہ۔ جواز (۱) کے ثمامہ بن آثال کا واقعہ ہے، جو صحیحین میں بہ تفصیل موجود ہے اور امام بخاریؒ نے اپنے داب فقاہت کے مطابق مختلف کتب وابواب میں اس سے متعدد مسائل مہمہ کا استنباط کیا ہے۔

ثمامہ نجد کا رئیس تھا۔ ہجرت کے پانچویں سال آں حضرت صلعم نے چند سوار نجد کی جانب بھیجے۔ وہ ثمامہ کو گرفتار کر لائے اور مسجد نبویؐ کے ستون سے باندھ دیا۔ تمام روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک وہ مسجد ہی میں رہا۔ تیسرے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کسی شرط کے رہا کر دیا۔ امام بخاری اسی روایت کو زیادہ تفصیل وتطویل سے کتاب المغازی میں بھی لائے ہیں۔ وفیه انه صلعم مر علی ثمامة ثلاث مرات وهو مربوط فی المسجد وانما امر باطلاقه فی الیوم الثالث وکذا اخرجه مسلم وغیره وصرح ابن اسحاق فی المغازی من هذا الوجه ان النبی صلعم هو الذی امرهم بربطه قاله ابن حجر فی الفتح (جلد نمبر ۱، ص ۴۶۲)

مگر اس خلق عظیم کا اس پر ایسا اثر پڑا کہ آزاد ہونے کے بعد خود واپس آ گیا کہ مسجد کے ستون کی جگہ اب دین حق کے ایمان واعتقاد کی زنجیروں سے ہمیشہ کے لیے وابستہ کر دیا جائے۔ امام بخاری نے کتاب الصلوۃ میں ایک

خاص باب اس عنوان ترجمہ سے درج کیا ہے: "الاغتسال اذا اسلم. و ربط الاسیر فی المسجد و کان الشریح یامر الغریم ان یحبس الی ساریة المسجد" اور اس کے نیچے اسی واقعے سے یہ روایت حضرت ابوہریرہ استدلال کرتے ہیں، بعث النبی صلعم خیلا قبل النجد فجاءت برجل من بنی حنیفه یقال له ثمامة بن آثال فربطوه بسارية من سواری المسجد... (الخ)

پس اس واقعے سے بھی ثابت ہوا کہ غیر مسلم (۲) کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ثمامہ کو تین دن تک مسجد میں کیوں اسیر رکھا جاتا؟ (۳) چناں چہ امام بخاری نے اس معاملے کے جواز پر (۴) پر اسی واقعے سے استدلال کیا ہے اور یہ اس فقیہ الامت کے کمال دقتِ نظر (۵) اور منتہائے مرتبہ اجتہاد (۶) کے شواہد میں سے ہے۔ کتاب الصلوۃ میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم ہے، "دخول المشرک فی المسجد یعنی مشرک کا مسجد میں داخل ہونا، اور اس میں اسی واقعے سے استدلال کیا ہے (۷)۔

حواشی:

(۱) حذف: دخول مشرک فی المسجد۔ (۲) تبدیلی: مشرک۔ (۳) یہ جملہ مصنف نے حذف کر دیا: خود آں حضرت صلعم اس کی اسیری کو دوسری جگہ منتقل فرما دیتے۔ (۴) اب یہ لفظ اسی طرح بدل گئے ہیں: اس معاملے کے جواز پر۔ (۵) حذف: واستنباط۔ (۶) حذف: وفقاہت فی الدین۔ (۷) یہ جملہ حذف کر دیا ہے: اور معلوم ہے کہ فقہ، بخاری کے تراجم ابواب میں ہے۔

فصل ششم:

عامہء مجتہدین اور احناف کی رائیں

چناں چہ انھی ادلہ (۱) کی بنا پر ائمہ مجتہدین (۲) اس طرف گئے ہیں کہ غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونا مسلمانوں کے اذن سے جائز ہے (۳)۔ علی الخصوص حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب تو اس بارے میں متعلمین ہدایہ تک کو معلوم ہے۔ ان کے نزدیک مطلقاً بلاقید واستثناء جائز ہے، اذن کی بھی شرط نہیں۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

"ولا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم ولا یتوقف جواز دخوله علی اذن مسلم عندنا ولو کان المسجد الحرام" (۴)

یعنی ذمی کا مسجد میں داخلہ ممنوع نہیں، اگرچہ جنبی ہو اور حنفیہ کے نزدیک مسلمان کی اجازت بھی ضروری نہیں، اگرچہ مسجد حرام ہو۔

ہدایہ میں ہے:

"ولا باس بان یدخل اهل الذمة المسجد الحرام (الا ان قال)" ولنا ماروی ان النبی صلعم انزل وفد ثقیف فی مسجده وهم کفار ولان الخبث فی اعتقادهم فلا یودی الی تلویث المسجد (کتاب الکراہیہ: مسائل متفرقہ)

یعنی ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں، اگر ذمی مسجد حرام میں داخل ہوں ۔ برخلاف امام شافعی کے جو عام مساجد میں داخل ہونا (۵) جائز قرار دیتے ہیں، مگر مسجد حرام میں نہیں، اور دلیل ہماری وفد ثقیف کا مسجد میں نزول ہے، حالاں کہ وہ کفار تھے اور نیز (۶) اس لیے کہ مشرک کا خبث اس کے اعتقاد کا خبث ہے جسم کا نہیں، جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو۔

قاضی زادہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قال بعض المتاخرین ظاھرہ ان ھذا دلیلا آخر ولا وجہ لہ فحق التعبیر حرف التعلیل لیکون اشارۃ الیٰ دفع ان یقال کیف انزلھم فی مسجدہ وقد وصفھم اللہ بکونھم انجاسا؟ اقول لیس ذاک بشیء اذلاشک فی صحۃ ان یکون ھذا دلیلا اخر عقلیالنا. فان الخبث اذا کان فی اعتقادھم لایودی الی تلویث المسجد فلا یکون فی دخولھم المسجد باس (الیٰ ان قال) کما حکی انہ علیہ السلام لما انزلھم فی مسجدہ وضرب لھم خیمۃ قال الصحابۃ قوم انجاس فقال علیہ السلام لیس علی الارض من انجاسھم وانما انجاسھم علیٰ انفسھم" (تکملہ فتح القدیر، جلد ۸، میری، ۱۳۰)

عبارت ہدایہ کا اشکال اور شارح کا جواب اور ادلہ، شافعیہ کی تحقیق آگے آئے گی ۔ شارح نے نزول وفد ثقیف پر صحابہ کے اعتراض اور اس کے جواب والی روایت جن الفاظ میں نقل کی ہے گو وہ الفاظ ثابت (۷) نہیں، مگر معناً صحیح ہیں اور اصلی روایات اوپر گزر چکیں ۔ نقل متن اور حفظ اسناد کا یہ وہ

تساہل ہے جو جا بجا خود صاحب ہدایہ نے کیا ہے اور متاخرین فقہاے حنفیہ میں عینی اور ابن ہمام کے سوا سب کرتے ہیں۔

اسی طرح در مختار میں ہے:

"وجاز دخول الذمی مسجدا ولو جنبا" (باب الکراہیۃ)

قاضی ابن رشد، ہدایہ میں لکھتے ہیں:

وجوزوا (الحنفیۃ) مطلقاً۔

یعنی حنفیہ کے نزدیک مطلقاً ذمیوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے (۸)۔

حواشی:

(۱) حذف: سنیہ۔ (۲) حذف: وفقہاے امصار۔ (۳) حذف: اور۔ (۴) حذف: فن ثالث احکام الذی۔ (۵) تبدیلی: دخول کو۔ (۶) اضافہ: نیز۔ (۷) اضافہ: ثابت۔ (۸) یہ عبارت حذف کر دی: ہدایۃ المجتہد شہر میں ہے اور میں مور آبادی میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں، اس لیے صفحے کا حوالہ نہیں دے سکتا۔ کتاب الکراہیۃ دوسری جلد میں ہو گا۔

فصل ہفتم:

تشریح آیہ، انما المشرکون نجس

مذہب احناف اور مسلمانوں کا عمل مستمر

باقی رہی آیتِ قرآنی کہ:

انما المشر کون نجس فلا یقر بوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا (۱)

تو اس کے متعلق چند امور غور طلب ہیں؛

اولاً، یہ حکم خاص مسجد حرام (مکہ) کی نسبت ہے یا تمام مساجد کے لیے؟ تو ائمہ۔ اربعہ نے اتفاق کیا کہ خاص مسجد حرام کی نسبت ہے اور ظاہر آیت کا منطوق بھی (۲) ہے۔

ثانیاً، نجاست کہ تحقیق، کہ نجاست سے یہاں مراد ظاہری ہے یا معنوی؟ تو تمام ائمہ۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نجاست سے مراد نجاست معنوی یعنی اعتقاد و شرک کی نجاست (۳) ہے نہ کہ نجاست جسمی اور دلائل کتاب و سنت اس پر ناطق و شاہد ہیں۔ احتیاج بیان نہیں (۴)۔

فذھب الجمھور من السلف والخلف ومنھم اھل المذاھب الاربعة الی ان الکافر لیس بنجس الذات. لان الله احل طعامھم. وثبت عن النبی صلعم فی ذلک من فعله وقوله وتقریره مایفید عدم

نجاستہ ذواتھم، فاکل فی آینتھم وشرب منہا وتوضاء فیہا وانزلھم فی مسجدہ وغیر ذلک من الادلۃ النقلیۃ والعقلیۃ"

ثالثاً، فلا یقربوا المسجد الحرام --- (الخ) سے مقصود کیا ہے ۔ تو حنفیہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ نہی تکوینی ہے، تکلیفی نہیں ۔ وہ اسے (۵) محمول کرتے ہیں ۔ غیر مسلموں (۶) کے ایسے قرب پر جو غلبہ و استیلاء کے ساتھ ہو، یعنی آیندہ غیر مسلموں (۷) کو مسجد حرام میں پاؤں جمانے کا موقع نہ دیا جائے ۔ "قرب" کا لفظ منع استیلاء و تمکین کے لیے کمال مبالغہ ہے ۔

"وانما نھوا عن الاقتراب للمبالغۃ فی المنع من دخول الحرم ونھی المشرکین ان یقربوا راجع الی نھی المسلمین عن تمکینھم من ذلک" (تفسیر ابو السعود حنفی)

اور ہدایہ میں ہے:

"والآیۃ محمولۃ علی الحضور استیلاءً واستعلاءً" (باب الکراہیہ)

اور حاشیہ عنایہ سعدی چلپی میں ہے:

"ای علی منعھم ان یدخلوھا مستولین وعلی اھل الاسلام مستعلین وایضاً النھی تکوینی لا تکلیفی"

اور شامی میں ہے:

"وحاصلہ انہ خبر منفی فی صورۃ النھی"

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ حنفیہ کے نزدیک مسلمانوں کے لیے جائز نہیں

کہ غیر مسلموں کو مسجد حرام میں غلبہ و تمکین کے ساتھ داخل ہونے دیں، لیکن اگر کسی خاص عارضی ضرورت سے کسی غیر مسلم کو آنے دیا جائے، مثلاً تعمیر عمارت یا تجارت کے لیے (۸) یا غیر مسلم حکومتوں کے غیر مسلم سفرا ہوں (۹) تو جائز ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ اس کے خلاف ہیں (۱۰)۔ وہ کہتے ہیں :

"کسی حال میں بھی (۱۱) غیر مسلم مسجد حرام کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ غیر مسلم کا قرب، اگرچہ عارضی ہو روکیں (۱۲) اور اس مقام اور اس مقام کے ایسے اطراف وحوالی کو جہاں کا داخلہ حرم کے داخلے تک منجر ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ صرف اہل اسلام ہی کے لیے مخصوص رکھیں" (۱۳)۔

چناں چہ حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں :

"فلا یجوز تمکین کافر من دخوله بحال فان دخله فی خفیة وجب اخراجه (الیٰ ان قال) ۔ (۱۴) وجوز ابو حنیفة دخولهم الحرم (مطبوعہ دہلی۔ صفحہ ۴۳، جلد ۴)

یعنی "کسی حال میں جائز نہیں کہ غیر مسلم کو حدودِ حرم میں داخل ہونے دیا جائے اور اگر کوئی غیر مسلم پوشیدہ (۱۵) چلا جائے تو اس کا اخراج واجب ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے" (۱۶)

اس میں شک نہیں کہ (۱۷) تمام دلائل و مصالح پر نظر کے بعد اس باب میں قول ائمہ ثلاثہ و جمہور ہی کا قوی ثابت ہوتا ہے۔ چناں چہ تیرہ سو برس سے تمام اہل اسلام قرناً بعد قرن اسی پر عمل کرتے آئے ہیں (۱۸)۔

عثمانی حکومت کا سرکاری مذہب حنفی تھا، مگر معلوم ہے کہ اس (۱۹) نے

بھی ایک دن کے لیے امام صاحب کے (۲۰) مذہب پر عمل نہیں کیا اور ہمیشہ حدودِ حرم میں غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع رہا (۲۱)۔

اصل یہ ہے کہ (۲۲) امتِ مسلمہ کے بقا کے لیے ضروری تھا کہ جس طرح تعلیم و احکام (۲۳) ہمیشہ کے لیے اوراق و صحف میں محفوظ کر دیے گئے تھے (۲۴)۔ .... (۲۵) اسی طرح باعتبار مکان کے بھی ایک مرکزی مقام ہمیشہ کے لیے ایسا مقرر کر دیا جاتا جو صرف پیروان اسلام (۲۶) کے لیے مخصوص ہوتا اور وہاں کی فضا اغیار و اجانب کی موجودگی سے کبھی (۲۷) ملوث نہ ہوتی۔ اسلام (۲۸) نے ان بے شمار مصالح و حکم کی بنا پر (جو اپنے مقام پر معلوم و منضبط ہیں) سرزمین حجاز کو اس غرض سے منتخب فرمایا۔ (۲۹) ذلک تقدیر العزیز العلیم۔

پس ضروری تھا کہ اسے صرف پیروان اسلام (۳۰) ہی کے لیے مخصوص کر دیا جاتا، تاکہ کرہ ارضی کے تخت سے تخت عہد انقلاب و حوادث میں بھی ایک مرکز اسلام و امن (۳۰) محفوظ رہے۔ (۳۱) یہی معنی ہیں اس آیہ کریمہ کے:

وإذ جعلنا البيت مثابة للناس و امنا (۳۲) اور جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس (۳۳) ورومن دخله كان آمنا (۳۴)۔

اور چوں کہ یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا، جب تک اس میں نہایت مبالغہ نہ کیا جاتا (۳۵) اس لیے ناگزیر ہوا کہ نہ صرف غیر مسلموں کے قبضہ و تمکین کو بلکہ سرے سے ان کے قرب و وجود ہی کو ہمیشہ کے لیے

روک دیا جائے، کیوں کہ اگر آمد و رفت کا دروازہ کھلا رہے گا تو خصوصیتِ اسلام کی اہمیت باقی نہ رہے گی (۳۶) اور اس کی اہمیت باقی نہ رہی تو بہت ممکن ہے کہ قبضہ و استیلا کا دروازہ بھی کھل جائے ۔ شریعت جس قدر اہتمام اصل مفاسد کے انسداد میں کرتی ہے، اتنا ہی اہتمام وسائل مفاسد کے روک تھام میں بھی کرتی ہے ۔ چوں کہ اس مقام کی حفاظت دائمی طور پر مطلوب تھی، اس لیے ضروری تھا کہ اول دن سے ان تمام وسائل کا بھی سد باب کر دیا جائے جو کسی نہ کسی شکل میں اس کی حفاظت کو صدمہ پہنچا سکتے ہیں (۳۸)۔

غرض کہ اس بارے میں حنفیہ کا مذہب ضعیف ہے اور قوی (۳۹) وہی ہے جو ائمہ ۔ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے (۴۰)۔

گذشتہ ازاں، ظاہر نص بھی مطلقاً منع پر ناطق ہے اور اصول میں طے پاچکا ہے کہ منطوق مفہوم پر مقدم ہے ۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نص سنت اور عمل صحابہ سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے ۔ آں حضرت صلعم کی زبان مبارک سے مرض الموت میں آخری وصیت جو نکلی، وہ یہ تھی:

اخرجوا الیھود و النصاری من جزیرۃ العرب (صحیحین عن ابن عباس و عائشہ و ابی ہریرہ)۔

"دوسری روایت میں ہے (۴۱) آخر ماتکلم بہ النبی صلعم لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان (وفی روایۃ) لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب "یعنی یہود و نصاریٰ جزیرۃ العرب میں نہ رہیں ۔ وہ یہاں اب اکٹھے نہیں رہ سکتے ۔ جب پورے جزیرے کے لیے یہ وصیت کی گئی جس میں حرمین

کے علاوہ دیگر حصص عرب بھی داخل ہیں تو ثابت ہے کہ حرم کے لیے توبہ درجہ اولیٰ یہ مطلب ہوگا۔ چناں چہ (۴۲)۔ اسی وصیت کی تعمیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور یمن کے یہود و نصاریٰ کو کافی معاوضہ دے کر عرب سے خارج کر دیا تھا اور بلاد شام و سواد عراق میں آباد کرایا تھا (۴۳)۔

حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجلا کردہ اہل کتاب کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اور یمن کی نسبت لکھا ہے کہ "ھم اھل نجران" (۴۴)۔

حواشی:

(۱) قرآن حکیم، سورہ توبہ، آیت ۲۸۔ (۲) تبدیلی: یہی منطوق ہے۔ (۳) حذف: قلبی۔ (۴) حذف و تبدیلی: پہلے یہ جملہ اس طرح تھا: ناطق و شاہد اور احتیاج بیان و تفصیل نہیں۔ (۵) تبدیلی: اس کو۔ (۶ و ۷) تبدیلی: غیر مسلموں۔ (۸) اضافہ: کے لیے۔ (۹) اضافہ: ہوں۔ (۱۰) اس مقام پر پہلے ایڈیشن میں عبارت یہ تھی، جس میں ترمیم و تنسیخ کا عمل ہوا: لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف و خلف امت اور تعامل مستمرہ اہل اسلام، اس مذہب کے خلاف ہے اور عملاً اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ آیہ کریمہ فلایقربوا المسجد الحرام .... الخ۔ اپنے نص منع دخول میں عام و مطلق اور ظاہر و غیر ماول ہے۔ یعنی۔ (۱۱) حذف: کوئی۔ (۱۲)۔ تبدیلی: غیر مسلم کے قرب مکانی کو اگرچہ وہ عارضی اور بلا تمکین و استیلاء ہو، روکیں۔ (۱۳) حذف و اضافہ سے پہلے ترتیب الفاظ اس طرح تھی: مخصوص و محفوظ رکھیں۔ (۱۴) اضافہ: الیٰ ان قال، اور حذف: فان مات و دفن فیه ینشر واخرج مالم یتغیر۔ ھذا مذہب الشافعی و جماھیر الفقھاء (۱۵) حذف: خفیہ۔ (۱۶) یہ عبارت حذف کر دی گئی: اور اگر وہ مکہ میں مرجائے اور دفن بھی ہو جائے

تو چاہیے کہ قبر کھودی جائے اور لاش نکال دی جائے۔ اگر متغیر نہیں ہوئی ہے۔ انتہی۔ مویداس مذہب جمہور کی خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اور حضرت عمرؓ کا بہ اتفاق واجماع صحابہ واضح وصریح طرز(۱) عمل ہے۔(کماسیاتی) اور یہ کہنا کہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہیں، اس بارے میں بالکل غیر مفید ہے۔ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ نہی اقتراب میں کمال مبالغہ منع دخول کے لیے ہے اور جب منع دخول میں مبالغہ ہوا تو ظاہر ہے کہ قرب کی ہر صورت و حالت اس نہی میں داخل ہو گی اور جب خود (صاحب) شریعت نے اس بارے میں مبالغہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ عملاً کمال وشدت منع اور مبالغہ در منع اقتراب مطلوب شارع ہے۔ عربی میں کہیں گے: "لا ارینک ھاھنا" تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ کسی حال میں بھی تم کو یہاں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اردو میں کہیں گے: "تم اس جگہ کے پاس بھی نہ پھٹکو۔" یعنی کسی حال میں بھی تمھارا یہاں آنا ہمیں گوارا نہیں اور۔(۱۷) اضافہ: تمام دلائل ...... تا ...... چناں چہ، حذف: جمہور ہی کا مذہب اس بارے میں حق وقوی ہے۔ اور اسی لیے، (۱۸) تبدیلی: کر رہے ہیں۔(۱۹) پہلے جملہ اس طرح تھا: مذہب حنفی ہے، مگر انھوں نے۔(۲۰) حذف: اس۔(۲۱) اضافہ: ہمیشہ ...... تا ...... رہا، حذف: اور ان کے تمام دور حکومت میں کوئی مثال اس کی نہیں مل سکتی کہ کسی غیر مسلم تاجر یا معمار و صناع یا طبیب و سفیر کو سخت ضرورت کے مواقع میں بھی حدود حرم کے اندر جانے کا موقع دیا گیا ہو، بلکہ ایک سے زیادہ واقعات اس کے خلاف تاریخ عہد عثمانیہ میں موجود ہیں۔(۲۲) حذف۔ دین حق کے قیام اور (۲۳) حذف: کو۔(۲۴) تبدیلی: کر دیا گیا۔(۲۵) حذف: یعنی کتاب و سنت بحکم اوتیت الکتاب و مثلہ معہ۔(۲۶) تبدیلی: حق و پرستاران حق۔(۲۷) تبدیلی: ہدایت کی پاکی شرک و فساد کی ناپاکی سے کبھی مکدر اور۔(۲۸) تبدیلی: اللہ تعالی۔(۲۹) حذف: اور یہی ناف زمین دنیا کی آخری و باقی ہدایت و سعادت کے لیے ایک مرکزی سرچشمہ۔ درس گاہ کی حیثیت سے قائم کی گئی۔(۳۰) تبدیلی: پس ضرور تھا کہ اس کو صرف اسلام۔(۳۱) تبدیلی۔ فساد میں

بن یَب مرکز و منبع ہدایت ہمیشہ قائم و محفوظ رہے ۔ (۳۲) حذف: درخت کی جڑ اگر سا' ت ہے تو ٹہنیوں اور پتوں کے مرجھانے سے باغ ویران نہیں ہو جا سکتا ۔ (۳۳) ران ملیم، سورہ۔ بقرہ، آیت ۱۲۵ ۔ (۳۴) قرآن حکیم، سورہ۔ مائدہ، آیت ۹۷ ۔ (۳۵) قرآن حکیم، سورہ۔ بقرہ، آیت ۹۷ ۔ (۳۶) تبدیلی، یہ جملہ پہلے اس طرح تھا: کمال مبالغہ و اہتمام نہ کیا جائے، کیوں کہ طبائع انسانی تسائل پذیر و حیلہ جو ۔ (۳۷) حذف: واہل اسلام ۔ (۳۸) اس مقام سے ایک طویل عبارت حذف کر دی گئی ہے جو یہ ہے: ۔ طبیعتیں اس کی متحمل اور خوگر ہو جائیں گی کہ غیر مسلموں کو بھی حرم میں مسلمانوں کی طرح موجود دیکھیں، اور ایسا ہوا تو کل کو قبضہ و استیلاء کا دروازہ بھی کھل جائے گا اور طبیعتیں اس کو بھی گوارا کر لیں گی، اور معلوم ہے کہ من جملہ مہمات اصول شریعت کے، ایک اصل عظیم یہ ہے کہ شریعت صرف مفاسد ہی کو نہیں روکنا چاہتی بلکہ ذرائع مفاسد کو بھی روک دیتی ہے، بلکہ بسا اوقات جو اہتمام و اشتداد اصل مفاسد کے دفع و منع میں نظر آتا ہے، ویسا ہی اہتمام وسائل و ذرائع کے سد باب میں بھی ملحوظ رہتا ہے ۔ شریعت کے تمام احکام اور شارع کے تمام اعمال میں اس کے اشباہ و نظائر بہ کثرت موجود ہیں اور یہ من جملہ۔ خصائص دین آخری کے ہے کہ صرف برائیوں ہی کو نہیں روکا بلکہ ان راہوں کو بھی بند کر دیا جو برائیوں تک پہنچا سکتی تھیں ۔ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ منع دخول غیر مسلم بلا تمکین و استیلاء فقہا کی اصطلاح میں لذاتہ نہیں ہے بلکہ لغیرہ ہے، لیکن اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شکل نہیں ۔

(۳۹) تبدیلی " اس سے پہلے یہ جملہ اس طرح تھا: بغایت ضعیف ہے اور قوی و مفتی بہ ۔ (۴۰) اس مقام پر یہ عبارت تھی جو حذف ہو گئی: کہ مسجد حرام میں غیر مسلم کو داخل ہونے دینا کسی حال اور کسی شکل میں بھی جائز نہیں اور اسی پر تیرہ سو برس سے مسلمانوں کا عمل ہے ۔ (۴۱) اضافہ: دوسری روایت میں ہے ۔ (۴۲) اضافہ: یعنی یہود و نصاریٰ ...... تا ...... چناں چہ ۔ (۴۳) پہلے ایڈیشن میں جملہ اس طرح تھا: یہود و

نصاریٰ کو عرب سے خارج کر دیا اور بلادِ شام و سوادِ عراق میں آباد کرایا۔ (۴۴) اس مقام پر یہ طویل عبارت تھی جو حذف کر دی گئی ہے: اور یہ جو کچھ کیا تمام صحابہ کے مشورہ و اتفاق سے، کیا (۲) اور اس سے صحابہ کا اجماع صحیح و کامل معنوں میں ثابت ہو گیا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اور حضرت عمرؓ نے اہلِ خیبر کی شرارتوں اور واقعہ عبداللہ بن عمر سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تو معلوم ہے کہ تعمیل وصیت کے لیے ضرور تھا کہ تنفیذِ وصیت پر تمکین حاصل ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اہل ردت کے قتال وغیرہ مہمات نے مہلت نہ دی اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوتے ہی ایران و عراق اور شام کے مہمات عسکریہ میں مشغول ہو گئے۔ جب یہود خیبر کی شرارتوں نے خود مناسب موقع پیدا کر دیا، تو معاملہ انجام پایا، اور جس طرح مہمات احکام و شرائع شارعؑ کے عہد میں بہ تدریج تکمیل کو پہنچے نہ کہ بغتۃً و دفعۃً واحدہ، اسی طرح ضروری تھا کہ مہمات ملکی و احکام متعلق تدابیر سیاسی شارعؑ کے بعد عہد خلفاے راشدین میں بہ تدریج تکمیل کو پہنچیں۔ لیکن اس کے بعد کسی کے لیے گنجایش نہیں ہے کہ محض راے و تخمین کی بنا پر نص صریح کا مقابلہ کرے اور ظنی تعلیلات شخصیہ غیر مؤید بالنص سے نص قرآنی اور وصیتِ نبویؑ کو رد کر دے۔

مولانا شبلی مرحوم نے "الفاروق" میں واقعہ۔ اجلاء اہل کتاب کی یہ توجیہ کی ہے کہ:

"یہود خیبر اور نصاریٰ یمن بغاوت کی تیاریاں کرتے تھے، اس لیے مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے نکال دیا۔"

مولانا مرحوم کو اس توجیہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہ حضرت عمرؓ کے اعمال کو یورپ کے ادعائی مذاق کے مطابق دکھلانا چاہتے تھے اور چوں کہ "لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان" کا معاملہ ان کے خیال میں آج کل کی تہذیب و روشن

خیالی کے خلاف تھا اور اس کی کوئی عقلی مصلحت و حکمت پیش نظر نہ تھی، اس لیے ناچار یہود خیبر کی شرارت اور واقعہ ابن عمر مندرجہ بخاری کتاب الشروط سے متشبث ہوئے اور تعمیل وصیتِ نبویؐ کے معاملے کو محض دفع بغاوت کا ایک سیاسی و عارضی واقعہ بنا دیا، جیسے واقعات یورپ کی نام نہاد متمدن حکومتوں میں غیر مذہب رعایا کے ساتھ ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں۔ حالاں کہ یہود خیبر کی شرارت اور حضرت عبداللہ کو گرا دینا ایک ایسا واقعہ تھا جو اس معاملے کی تنفیذ و تکمیل کے لیے محرک ہوا، لیکن اصلی علت یہ نہیں ہو سکتی۔ بالفرض اگر تمام یہود خیبر بغاوت کے لیے آمادہ بھی ہو گئے تھے تو جلاوطن کر دینا کب مقتضائے عدل فاروقی ہو سکتا ہے؟ کیا حضرت عمرؓ کی وہ حکومت جس نے تخت کسریٰ کو ہمیشہ کے لیے الٹ دیا اور مصر کی رومانی حکومت کا چند ہفتوں کے اندر خاتمہ کر دیا، یہود خیبر کی سیاست و تنبیہ سے عاجز تھی؟

بہر حال حضرت عمرؓ نے بہ اتفاق جمیع صحابہؓ جو کچھ کیا وہ دراصل اسی وصیت نبویؐ کی تعمیل تھی کہ "اخرجوا الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب" اور جن لوگوں نے حسن و قبح اشیا کا معیار یورپ کی نام نہاد تہذیب و تمدن کو قرار نہیں دیا ہے بلکہ حقیقت اور عقل صحیح و قیاس صالح کو تو ان کو اس توجیہ و تلمیع کی کوئی ضرورت نہیں۔

سورہ براۃ کی تفسیر میں اس مسئلے کو بہ تفصیل لکھ چکا ہوں اور اس کے مطالعے سے واضح ہو جائے گا کہ یہ حکم شریعت مقتضائے عدل و انصاف کے عین مطابق ہے اور کسی تاویل رائے و قیاسی کی اس کے لیے ضرورت نہیں۔ خواہ وہ فلسفہ۔ تاریخ کے نام سے پیش کی جائے، خواہ فلسفیانہ و عجمی فقاہت کے نام سے۔

تیرہ سو برس کا تجربہ اور صدیوں کے حوادث و نتائج اس حکم قرآنی اور وصیتِ نبویؐ کی تفسیر کے لیے کافی ہیں (۳)۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بے شمار مقامات بلکہ بڑے بڑے براعظموں اور اقلیموں پر غیروں کے تسلط کا دروازہ محض آمد و رفت اور قرب و

علائق ہی کے ذریعے کھلا ۔ مثلاً پہلے سلسلہ سفارت کا کھلا، پھر قیام و سیاحت کا، پھر تجارت کا اور اس کے بعد (۴) رفتہ رفتہ تاجروں، سیاحوں، پیشہ وروں، محکومانہ متوطنوں نے حاکم و قاہر کی صورت اختیار کر لی ۔ مصر میں پیشہ و صناعت کے نام سے تقریب ہوئی ۔ ہندوستان میں تجارت کے وسیلے سے ۔ اور جواز دخول حرم کی جو صورتیں حنفیہ کی جانب سے بیان کی جا سکتی ہیں وہ بہتر سے بہتر اور محدود سے محدود شکل میں یہی ہو سکتی ہیں ۔ پھر اگر فلا یقربوا المسجد الحرام کے یہی معنی قرار دیے جائیں کہ صرف قرب بحالت استیلاء و تمکین ممنوع ہے، نفس قرب و تقریر ممنوع نہیں، تو اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ حرم پر غیر مسلموں کا قبضہ و تسلط تو ممنوع ہے، مگر قبضہ و تسلط کا دروازہ کھولنا ممنوع نہیں ۔ پھر کیا ایسا اجتہاد تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

والامام لیس بمعصوم حتی تاول له الشریعة ونترک نصوص الکتاب والسنة ولم یاذن الله ولا رسوله لاحد بهذه النصرة وما امرنا باتباع مذهب من المذاهب ورای من آراء الرجال وارتکاب التحملات لتصحیحه ورضی الله عن مالک ابن انس حیث یقول ما من احد الا یوخذ من قوله ویترک الا صاحب هذا القبر صلی الله علیه وسلم ۔

باقی رہا یہ کہنا کہ آیہ، سیف مقید ہے آیہ، وان احد من المشرکین استجارک فاجره حتی یسمع کلام الله سے اور اس بارے میں قاضی ابو یوسفؒ کا مذہب اور حدیث صحیحین اخرجوا الیهود والنصاری (الخ) کے مقابلے میں حدیث ابو عبیدہ بن الجراح سے استشہاد اور نص کے مقابلے میں اخراج کی علت و مصلحت خود قرار دینا اور اس کو امام کی رائے پر مفوض کرنا اور روایت بریدہ اسلمی کہ "فان ابوا فسلهم الجزیة فان اجابوک فاقبل منهم" اور اس سے استدلال

تقریر مشرکین در حجاز پر بصورت ادائے جزیہ وغیرہ ذلک، تو ان میں سے کوئی دلیل بھی ایسی نہیں ہے جو نصوص صریحہ۔ کتاب وسنت کے معارض ہوسکے۔ روایت ابو عبیدہ خود بغایت مضطرب ولایق احتجاج نہیں اور آخر تکلم آں حضرت صلعم " اخرجوا الیھود والنصاری ہے جو نسخ جمیع ماسبق کے لیے قاطع وصریح، اور نص کے مقابلے میں کوئی قیاس مسموع نہیں، اور خود آئمہ وفقہانے اجماع کیا، بطلان تعلیل مصالح پر۔ اس لیے کہ تعلیل بمصالح مقبول نہیں، تاوقتے کہ منضبط نہ ہو، اور معلوم ہے کہ حکم ومصالح غیر منضبط اور اس طرح کی اکثر تعلیلات خیالیہ ورائیہ اعجاب کل ذی رای برایہ سے زیادہ وزن نہیں رکھتیں۔ پس حاجت اطناب نہیں، اور اپنے مقام پر یہ مبحث صاف ہوچکا ہے۔ علی الخصوص تفسیر البیان میں۔

حواشی بر حواشی:

حاشیہ نمبر ۱۶ اور نمبر ۴۴ کے ذیل میں جو حذف شدہ عبارت درج کی گئی ہے، اسے مولانا نے نظر ثانی اور اصلاح وترمیم کے بعد حذف کیا ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کی اصلاحات کو بھی واضح کر دیا جائے۔ ترامیم واصلاحات یہ ہیں:

(۱) اضافہ: طرز۔ (۲) پہلے ایڈیشن میں یہ جملہ اس طرح تھا: تمام صحابہ سے مشورہ واتفاق سے، اور اس سے صحابہ کا اجماع صحیح وکامل معنوں میں ثابت ہو گیا۔ (۳) پہلے مولانا نے یہ جملہ سوالیہ انداز میں اس طرح لکھا تھا: کیا تیرہ سو برس کا تجربہ اور صدیوں کے وقوعی نتائج وحوادث اس حکم قرآنی اور وصیت نبویؐ کی تفسیر کے لیے کافی نہیں؟ (۴) پہلے عبارت اس طرح تھی: براعظموں اور اقلیموں پر غیروں کے قبضے کی بنیاد استیلا وتسلط سے نہیں بلکہ محض قیام وقرب اور آمد ورفت سے پڑی؟

فصل ہشتم:

امام شافعی کا مذہب
اور صاحب ہدایہ کا تسامح

اسی بنا پر حضرت امام شافعیؒ نے اس بارے میں مذہب تفصیل اختیار کیا، یعنی غیر مسلموں کا عام مساجد میں داخل ہونا اذن اہل اسلام سے جائز ہے مگر مسجد حرام میں نہیں۔ وہ مستثنیٰ ہے۔ خلافاً للحنفیہ۔ چناں چہ حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

اما قوله تعالىٰ: انما المشركون نجس فلايقربوا المسجد. فهو خاص بالحرم ونحن نقول لايجوز ادخاله الحرم (صفحہ ۴۳۶۔ مطبوعہ دہلی)

اور دلائل ان کے وہی ہیں جو اوپر گزر چکے، لیکن صاحب ہدایہ نے اس موقعے پر سخت تسامح کیا ہے اور اسی وجہ سے ان کی عبارت میں اشکال پیدا ہو گیا جسے (۱) قاضی زادہ نے دور کرنا چاہا، وہ لکھتے ہیں:

"ولان الكافر لايخلو عن جنابة لانه لايغتسل اغتسالا يخرجه عنها والجنب يجنب المسجد"

یعنی امام شافعی کی دلیل منع (۲) کے لیے یہ ہے کہ غیر مسلم (۳) ناپاک ہے۔ کیوں کہ وہ بوجہ غسل معتبر فی الشرع نہ کرنے کے کبھی جنابت سے خالی

نہیں ہوتا۔ پھر اس دلیل کا جواب دیتے ہیں:

"والتعلیل بالنجاسة عام فینظم المساجد کلھا اور ولان الخبث فی اعتقادھم فلا یودی الی تلویث المسجد یعنی اگر غیر مسلم (۴) ناپاک ہے اور اس لیے اس کا داخل ہونا جائز نہیں، تو اس میں مسجد حرام کی کیا خصوصیت ہے، تمام مسجدوں میں ممنوع ہونا چاہیے۔ حالاں کہ خود امام شافعی اس کے قایل نہیں اور معلوم ہے کہ غیر مسلموں (۵) کی اصلی نجاست اعتقاد کی نجاست ہے نہ کہ جسم کی، انتہی، حالاں کہ نہ تو امام شافعی کی یہ دلیل ہے اور نہ تعلیل بالنجاست سے ان کا یہ مطلب ہے جو صاحب ہدایہ نے قرار دیا ہے۔ خود ہی ان کی جانب سے ایک دلیل قیاساً قرار دے لی ہے، پھر خود ہی (۶) اس کا رد کر دیا ہے اور خلافیات میں اس طرح کے تسامحات صاحب ہدایہ سے اور مقامات پر بھی ہوئے ہیں، جیسے جواز نکاح متعہ کو حضرت امام مالک کی طرف منسوب کر دینا۔ وغیر ذالک۔ یہ کتاب الام اور شرح مہذب اور شرح مسلم نووی موجود ہے اور متقدمین و متاخرین شافعیہ کی ان سے زیادہ معتبر اور کون سی کتابیں ہو سکتی ہیں؟

امام شافعی کا استدلال صرف نص قرآنی فلا یقربوا المسجد الحرام سے ہے، جس نے خود ہی مسجد حرام کو خاص طور پر مخصوص و مستثنیٰ کر دیا۔ تمام مسجدوں کے لیے ایسا حکم نہیں دیا، اور اس ایک ظاہر و ناطق دلیل (۷) کے بعد اور کسی دلیل کی ان کو ضرورت کیا تھی؟ بلاشبہ وہ ممانعت (۸) کی علت نجاست کو قرار دیتے ہیں، مگر اپنے قیاس ورائے سے نہیں، بلکہ اس لیے کہ خود

قرآن ہی نے یہ تعلیل کر دی ہے: "انما المشر کون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام۔" "انما" اور اس کے بعد حرف "فا" کا آنا اپنی دلالت میں ظاہر و ناطق ہے۔ مگر وہ نجاست سے نجاست جسمی مراد نہیں لیتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے مذہب میں غیر مسلم (۹) کی ملامست اور مواکلت (۱۰) جائز نہ ہوتی۔ جیسا کہ امامیہ اور بعض ظاہریہ کے مذہب میں ہے، اور معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ پس وہ نجاست سے نجاستِ معنوی مراد لیتے ہیں جو عام مسجدوں اور مکانوں کو تو ناپاک نہیں کر سکتی، لیکن مسجد حرام کا مرکز دینی (۱۰) اس کے قرب و مس کا متحمل نہیں۔ وہ اپنی فضا کو اس (۱۱) کی آمیزش سے ہمیشہ پاک اور بے میل رکھنا چاہتا ہے (۱۲)۔

پس امام شافعی نے اگر اس بارے میں حنفیہ کے عموم و اطلاق کی جگہ مذہب تفصیل اختیار کیا اور عام مسجد میں (۱۳) جازت دیتے ہوئے مسجد حرام کو مستثنیٰ کر دیا تو یہ مذہب نصوص کتاب و سنت اور قیاس صحیح و حکمتِ شرعی کے عین مطابق ہے، اور ان کے رد میں یہ کہنا کہ و التعلیل بالنجاسة عام اور و لان الخبث فی اعتقادھم فلا یودی الیٰ تلویث المسجد بالکل بے کار، بلکہ بے معنی ہے۔ قرآن نے جو تعلیل نجاست کی کی ہے وہ عام نہیں ہے، مسجد حرام کے لیے خاص ہے (۱۴)۔

یہی وجہ ہے کہ "و لان الخبث فی اعتقادھم...... الخ" کے جملے میں حرف تعلیل نے شارحین کو مشکلات میں ڈال دیا۔ بعضوں نے کہا حق التعبیر حذف حرف التعلیل اور قاضی زادہ کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت

نہیں، بلکہ یہ خود ایک دلیل مستقل عقلی ہے اور چوں کہ اس سے پہلے نزول وفد ثقیف کا ذکر کیا گیا ہے اور اس پر یہ شبہ وارد ہو سکتا تھا کہ کیف انزلھم فی مسجدہ وھم کفار وقد وصفھم اللہ بکونھم نجسا؟ تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ "لان الخبث فی اعتقادھم" الخ۔ لیکن اس تشریح کی سیاق عبارت سے تائید نہیں ہوتی، کیوں کہ سلسلہ عبارت (۱۵) یوں ہے:

"ولنا ماروی ان النبی علیہ السلام انزل وفد ثقیف فی مسجدہ وھم کفار ولان الخبث فی اعتقادھم..." (الخ)

پس "ولان الخبث" میں عطف اور تعلیل کا ہونا اسے (۱۶) "ولنا" کے سلسلے میں جوڑ رہا ہے۔ اگر یہ کسی اعتراض مقدور و محذوف کا جواب ہوتا تو عطف و تعلیل کا کیا موقعہ تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان تمام کاوشوں کی کچھ ضرورت نہیں۔ بات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

صاحب ہدایہ کی نظر شافعیہ کے دلایل پر نہ تھی، اس لیے انھوں نے اپنے قیاس سے ان کی تعلیل بالنجاست کو نجاستِ جسمی و جنبی پر محمول کیا اور اسے (۱۷) نقل کر کے پھر اسی سلسلے میں جواب دیتے ہوئے کہا: ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ۔ یعنی جب نجاست، نجاستِ اعتقاد ہے تو اس کی بنا پر ممنوع کیوں ہو؟ لیکن چوں کہ امام شافعی کی یہ دلیل ہی نہیں ہے، اس لیے اس کا یہ جواب بھی نہیں ہو سکتا (۱۸)۔

"فلا یقربوا المسجد الحرام" کے متعلق ایک پانچواں مسئلہ اور باقی رہ گیا ہے یعنی "مسجد حرام سے مقصود کیا ہے؟ صرف عمارتِ کعبہ یا اور بھی

کچھ" - تو اگرچہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مقصود صرف احاطہ مسجد ہے، لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ "مسجد حرام" سے مقصود تمام حرم ہے اور یہ از قبیل اطلاق (۱۹) جزء بر کل ہے، جس کے نظائر خود قرآن میں موجود ہیں - مثلاً:

"سبحان الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی" (۲۰) میں بالاتفاق مسجد حرام سے مقصود مکہ معظمہ ہے نہ کہ نفس مسجد - کیوں کہ معلوم ہے کہ اسریٰ کا معاملہ آپؐ پر جب واقع ہوا تو آپؐ ام ہانی کے مکان میں تھے، نہ کہ مسجد حرام میں، اور اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مقصود بیت المقدس ہے، نہ کہ صرف ہیکل - عطاء کا قول حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں نقل کیا ہے: "الحرم کله مسجد" - باقی رہی مدینہ منورہ کی حیثیت شرعی کہ وہ حرم ہے یا نہیں؟ تو گو بعض فقہا اس طرف گئے ہیں کہ مدینہ مثل مکہ کے حرم نہیں، لیکن فی الجملہ اس کے حرم ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور قوی (۲۱) وہی ہے جو آئمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے - (۲۲) دلیل اس کی ایک سے زیادہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں - ازاں جملہ حدیث علی عند بخاری و مسلم و حدیث ابن ابی وقاص و انس بن مالکؓ و جابر بن عبداللہ وابی ہریرہ و غیرہم - حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"هذا الحديث صريح فی الدلالة لمذهب مالک و الشافعی و احمد و الجماهير فی حرم صيد المدينة و شجرها لما سبق و خالف فيه ابو حنيفة وقد ذكرها هنا مسلم فی صحيحه تحريمها مرفوعا عن

النبی صلعم من روایة علی وسعد بن ابی وقاص وانس وجابر وابی هریرہ وعبداللہ بن زید ورافع بن خدیج وسھل بن حنیف وذکر غیرہ من روایة غیرھم ایضاً۔ فلا یلتفت الی من خالف ھذہ الاحادیث الصحیحة المستفیضة" (مسلم مع نووی، مطبوعہ، دہلی، صفحہ ۴۴۱)

یعنی یہ حدیث صریح ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور احمدؒ کے مذہب کی تائید میں کہ مدینہ کے لیے بھی حرم ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ نے اس کی مخالفت کی۔ ان کے نزدیک مدینہ حرم نہیں اور مسلم نے مدینہ کی تحریم پر استدلال کیا ہے احادیث مرفوعہ سے، جو حضرت علیؓ، سعدؓ انسؓ، جابرؓ ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن زیدؓ رافعؓ اور سہل بن حنیفؓ کی روایات سے ثابت ہیں اور مسلم کے علاوہ دیگر آئمہ نے اور راویوں سے بھی احادیث نقل کی ہیں۔ پس جب اس بارے میں اس قدر روایات موجود ہیں تو اس شخص کی بات پر کان نہ دھرو، جو ان احادیث صحیحہ و مستفیضہ سے مخالفت کرتا ہے۔ انتہیٰ

اور ان نصوص سنت کو صرف اس قیاس (۲۳) کی بنا پر رد کر دینا کہ مقصود حرمت سے حرمت تعظیمی ہے نہ کہ تشریعی (جیساکہ تورپشتی اور صاحبِ مرقات وغیرہما نے لکھا ہے) تو یہ صریح نص شارع کو رد کر دینا ہے، محض قیاس ورائے سے، اور (۲۴) مسموع نہیں، اور اسی طرح حدیث ابو عمیر عند مسلم سے استدلال، سو اول تو وہ مفید عدم تحریم نہیں، ثانیاً دونوں میں یوں توفیق ہو سکتی ہے کہ احادیث ناطق حرمت مؤخر ہیں حدیث ابو عمیر سے، یا ابو عمیر کی حدیث مخصص ہے اور تخصیص سے عدم تحریم لازم نہیں آتی۔ (قالہ

الشوکانی فی النیل) (۲۵)

حواشی:

(۱) تبدیلی: جس کو (۲) حذف: دخول (۳و۴) تبدیلی: کافر ۔(۵) تبدیلی: کفار (۶) اضافہ: ہی ۔(۷) تبدیلی: قاطع و ناطق دلیل ۔(۸) تبدیلی: منع دخول ۔(۹) تبدیلی: کافر ۔(۱۰) حذف: اور مشار بت ۔(۱۱) اضافہ: دینی، وحذف: وکعبہ ہدایت ودار التوحید ۔(۱۲) حذف: نجاستِ معنوی ۔(۱۳) حذف: کہ تمام کرہ۔ ارضی میں کوئی ایک مرکزی مقام تو ہمیشہ توحید وہدایت کے لیے محفوظ و مخصوص رہے ۔(۱۴) حذف: دخول کی ۔(۱۵) حذف: اور خبث اعتقاد عام مسجد کو ملوث نہیں کر سکتا البتہ مسجد حرام کی خالص اور بے مزجِ کفر پاکی کو ملوث کر دے گا ۔(۱۶) حذف: ہدایہ ۔(۱۶و۱۷) تبدیلی: اس کو ۔(۱۸) حذف: البتہ عام مساجد میں دخول کے جواز کے لیے یہ صحیح تعلیل ہے اور دلیل کا کام دے سکتی ہے ۔ (۱۹) حذف: اسم ۔(۲۰) قرآن حکیم، سورہ۔ بنی اسرائیل، آیت ا ۔(۲۱) تبدیلی: حق ۔(۲۲) حذف: اپنے تمام احکام و خصائص میں ۔(۲۳) حذف: بحث ۔(۲۴) حذف: ابداً ۔(۲۵) اس فصل کا مندرجہ۔ ذیل آخری پیراگراف مصنف نے حذف کر دیا:

"پس جب مدینہ کے لیے بھی حرم مثل مکہ کے نصاً ثابت ہوا اور من جملہ۔ احکام حدود حرم کے منع جواز دخول غیر مسلم ہے تو معلوم ہوا کہ "فلا یقربوا" کے حکم میں مدینہ بھی داخل ہے اور مدینہ میں بھی غیر مسلموں کا داخل ہونا کسی حال میں جائز نہیں، وھذا ھو الحق الصریح الذی لا یرتاب فیہ"

خارج:

پہلے ایڈیشن میں یہ بارھویں فصل تھی۔ نئے ایڈیشن میں مصنف نے اسے حذف کر دیا ہے۔

مسجدوں میں غیر مسلموں کا داخلہ

مقید ہے یا غیر مقید؟

ایک ضروری ٹکڑا(۱) اس مسئلے کا اور رہ گیا، یعنی مساجد میں غیر مسلموں کا داخل ہونا مطلقاً جائز ہے یا مسلمانوں کی اجازت کے ساتھ مقید ہے۔

گذشتہ صفحات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، مسلمانوں کے اذن کی ضرورت نہیں۔ لیکن امام شافعی وغیرہم ائمہ کے نزدیک مسلمانوں یا مسلمانوں کے امام کی اجازت و طلب کے بغیر جائز نہیں۔

ولا یتوقف جواز دخوله علی اذن مسلم عندنا۔ (اشباہ والنظائر)

اور اصح اور مصالح شرعیہ سے اوفق مذہب امام شافعی ہی کا ہے۔ چنانچہ اسی لیے اس تحریر کے عنوان میں مسلمانوں کی اذن کی قید لگا دی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے زمانے میں اس قید کی ضرورت نہ ہو۔ جب کہ اسلامی حکومتیں غالب حصہ ارض پر قایم تھیں اور غیر مسلم ہماری مسجدوں میں حاکمانہ اور مساویانہ اقتدار کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے بلکہ بحکم وھم صاغرون (محکومانہ اور مغلوبانہ)۔ مگر اب ہماری حالت، خصوصاً ہندوستان میں دوسری ہے اور ہم کو صرف مسائل کے ایک ہی پہلو پر نظر نہیں ڈالنی ہے بلکہ ہر طرف نظر دوڑانی ہے اور صدہا پہلوؤں کا تحفظ کرنا ہے۔

اگر آج مسلمانوں کے اذن و طلب و رضا کی قید نہیں لگائی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کل کو باہمی مخالفت و ناچاقی کے زمانے میں اس نظیر سے مخالفانہ فائدہ اٹھایا جائے گا اور غیر مسلموں کی ایک مخالف جماعت مسجد کی بے حرمتی اور نمازیوں کی ایذا و ضرر کے لیے مسجدوں میں بے تامل داخل ہو جائے گی اور اس طرح مسلمانوں کی عبادت گاہیں ہندوستان میں ہمیشہ کے لیے بے پناہ ہو جائیں گی۔

بلاشبہ ایسا تو نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان میں غیر مذاہب کے علائق اور ان کی تلون مزاجیاں دیکھ کر ہم ایک فعل جائز اور فعل نبویؐ کو شرعاً ناجائز بتلا دیں اور اس کے صدہا برکات و فوائد کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ اصول شریعت اور آداب و وظائف افتا سے بے بہرہ ہے اور اس کو حق نہیں پہنچتا کہ معاملات شرعیہ میں زبان کھولے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ قیام و بقائے احکام کے ساتھ وقت و حالات کے مقتضیات کی بھی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے، کہ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو پہلی صورت سے بھی زیادہ مضرتیں لاحق ہوں گی۔

پس اس میں شک نہیں کہ جواز دخول کو اذن مسلم سے مقید کر دینا نہایت ضروری اور احکام و مصالح شرعیہ سے اوفق ہے اور بغیر اذن کے بلاشبہ عدم جواز کا فتویٰ دینا چاہیے۔ یعنی جب کبھی مسلمانوں کا کوئی پیشوا یا مسلمانوں کی کوئی جماعت غیر مسلم یا غیر مسلموں کی کسی صلح پسند اور دوست و حلیف جماعت کو مقاصد صالحہ ملک و ملت سے مسجد میں بلانے یا کم از کم تقریراً ان کے داخل مسجد ہونے پر راضی ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ وہ مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں اور ضرورت ہو تو خطبات و مواعظ مسجد کو سن سکتے ہیں۔ جماعت نماز کا منظر دیکھ سکتے ہیں اور ضرورت ہو تو غیر اوقات صلوۃ و جماعت میں جائز و مستحسن امور پر پوری آزادی سے تقریر بھی کر سکتے ہیں، بلکہ خود مسلمانوں کو چاہیے کہ حسب ضرورت و حالت معاملات مشترکہ پر ان سے مجالس مسجد

میں مشورہ کریں اوران کی واقفیت وتجارب سے فائدہ اٹھائیں ۔جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجالس شوریٰ میں بعض اوقات غیر مسلموں کو خود بلاتے تھے اور ملکی معاملات پران سے مشورہ کرتے تھے ۔ مثلاً مسائل تشخیص اقسام زمین، وتعیین جزیہ و تنظیم دفاتر و دیوان ملکی اور بعض امور متعلق سواد عراق و مصر پر ذمیوں کو بلانے اور مشورہ کرنے کے واقعات مندرجہ "فتوح البلدان" و "کتاب الخراج" و "طبری" وغیرہ ۔ لیکن بغیر مسلمانوں کی اذن وطلب کے شرعاً جائز نہ ہوگا کہ کوئی غیر مسلم مسجد کے اندر داخل ہو ۔اگر داخل ہوگا تو یہ مسلمانوں کے مذہبی احکام میں مداخلت متصور ہوگی اور قطع نظر مذہب ائمہ ۔ ثلاثہ وجمہور کے خود احادیث باب پر غور کیا جائے تو ان سے بھی یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کا دخول بلا اذن ورضائے امام و مسلمین مطلقاً جائز ہے "وفد ثقیف کو آں حضرت صلعم نے خود مسجد میں ٹھیرایا اور وفد نجران کو خود آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی ۔ ثمامہ بن آثال کو مسلمان گرفتار کر کے لائے اور آپؐ کے حکم سے مسجد میں باندھ دیا ۔

پس ان روایات سے بھی ثابت ہوا کہ امام وقت یا مسلمانوں کی طلب واذن سے غیر مسلم مساجد میں داخل ہوئے، اسی طرح آج بھی مسلمانوں کو کرنا چاہیے ۔ اذن کی قید کا ضروری نہ سمجھنا تو ایک طرح کی تفریط معلوم ہوتی ہے، جس طرح مطلقاً منع میں تشدد وافراط ہے ۔

حاشیہ:

(۱) تبدیلی: ٹکڑہ

فصل نہم :

ایک غلط استنباط

بعض اخبارات نے لکھا ہے کہ جب خود مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ مسجد میں بلا طہارت داخل ہوں تو ہندوؤں کو بلانا اور بٹھانا کب جائز ہو سکتا ہے؟ چوں کہ یہ خیالات ایسے لوگوں نے ظاہر کیے ہیں، جن کی نسبت معلوم ہے کہ علوم دینیہ سے باخبر نہیں، اس لیے اس بات پر چنداں تعجب نہ ہوا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں سے متعلق احکام پر غیر مسلموں کے احکام کو قیاس کرنا اور اس سے جواز و عدم جواز کا استنباط، اس قدر سخت نادانی و لاعلمی کی بات تھی کہ یا تو اس پر بہت زیادہ ہنسا جا سکتا ہے یا بہت زیادہ رویا جا سکتا ہے -(۱)

اول تو تمام کتب فقہ حنفیہ میں صاف صاف لکھا ہے: و لا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم۔

یعنی غیر مسلم اگرچہ جنبی ہو، مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔ برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ احکام اسلامی کی تعمیل پر مجبور ہیں اور ان کے لیے بحالتِ جنابت داخل ہونا جائز نہیں۔

ثانیاً۔ خود مسلمانوں کے لیے بھی مقیم و عابر کا جو فرق کیا گیا ہے، وہ ان

کو معلوم نہیں۔ وقد جوز واعبور عابر السبیل جنباً۔

ثالثاً۔ تمام شور و شغب کے لیے قاطع یہ ہے کہ غیر مسلم فروع میں مخاطب ہی نہیں کہ ان کی نسبت احکام طہارت کا سوال پیدا ہو (کماتقرر فی الاصول) اور یہ بھی طے پا چکا ہے کہ شرعاً غیر مسلم باعتبار ذات و جسم کے پاک ہے اور چھونے یا کھانے پینے (۲) میں حکماً عام حالتِ طہارت جسم و لباس کی ہمارے لیے معتبر ہے (۳)۔ مزید برآں معاملات طہارت جسم و لباس کی نسبت اگر غیر مذہبوں کے مذہب میں احکام غسل وغیرہ موجود ہیں تو ہم ان کا ملنے جلنے اور معاشرت کے معاملات میں اعتبار کریں گے اور معلوم ہے کہ ہندوؤں کے یہاں خود احکام غسل موجود (۴) ہیں۔ حتیٰ کہ اس بارے میں ان کا حال حدِ غلو اور (۵) توہم پرستی تک پہنچ گیا ہے۔ (۶) جب خود صاحبِ شریعتؐ کا مشرکین (۷) عرب کو مسجد میں بلانا بلکہ بطور مہمان کے ٹھیرانا ثابت ہو چکا ہے۔ حالاں کہ مشرکین عرب ہندوستان کے ہندوؤں سے یقیناً زیادہ گندے اور بے احتیاط تھے اور اسی طرح اس عہد کے رومن کیتھولک عیسائیوں کو بھی (۸) مسجد میں ٹھیرنے دیا جن سے زیادہ گندی قوم اس وقت دنیا میں کوئی نہ تھی (۹) تو پھر اب کسی مسلمان کے لیے کب جائز ہے کہ طہارت کی بنا پر اس معاملے کو ناجائز بتلائے۔ کیا ان مساجد (۱۰) سے بھی بڑھ کر تمھارے ہندوستان کی مسجدیں مقدس ہو سکتی ہیں، جن کی نسبت خود قرآن نے شہادت دی ہے کہ :فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین (۱۱) یعنی اس مسجد میں وہ لوگ ہیں جو چاہتے ہیں صاف اور پاک رہیں اور اللہ صفائی اور پاکی

چاہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور فرمایا: لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم (۱۲) یعنی وہ مسجد جو اپنی بنیاد کے پہلے دن ہی سے تقویٰ اور طہارت پر تعمیر کی گئی ہے (۱۳)۔ فیاللہ و یاللعقول۔

جس مسجد مقدس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ و طہارت پر پڑی، جس کی دیواریں وحی الہیٰ کا مورد و مہبط ہوئیں اور جس کے نمازیوں کی پاکی اور ستھرائی پر خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی۔ وہ تو مشرکین طائف (۱۴) کے نزول و اقامت سے ناپاک نہیں ہوئی اور اللہ کے رسولؐ نے (۱۵) ٹھیرانے سے پہلے (۱۶) غسل کر لینے کا حکم نہیں دیا۔ لیکن آج ہندوستان کی مسجدیں ہندوؤں کے چار گھڑی قیام سے ناپاک ہو جائیں گی، اس لیے کہ احکام اسلام کے مطابق وہ غسل و طہارت کر کے نہیں آتے۔ اگر موجودہ عہد کے علما کی فقاہت و افتا کا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے تو پھر بجز اناللہ و انا الیہ راجعون پڑھ دینے کے چارہ نہیں۔ اور شاید اس کے پڑھ دینے کا وقت مدت ہوئی کہ آچکا اور گزر چکا۔

حواشی:

(۱) حذف: تیسری حالت کوئی نہیں۔ (۲) تبدیلی: لمس و مواکلت و مشاربت وغیرہ۔ (۳) اضافہ: ہے، حذف: اور۔ (۴) حذف: و معمول بہا۔ (۵) حذف: وتشدد۔ (۶) تبدیلی: پھر۔ (۷) تبدیلی: کفار۔ (۸) پہلے یہ جملہ اس طرح تھا: کو مسجد میں آنے دیا۔ (۹) تبدیلی: پہلے عبارت اس طرح تھی: اور کثافت پسند قوم شاید ہی دنیا میں کوئی گزری ہو۔ (۱۰) حذف: و اہل مساجد۔ (۱۱) قرآن حکیم، سورہ توبہ، آیت ۱۰۸۔ آیت کے اس ٹکڑے کے ترجمے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (۱۲) ایضاً۔ (۱۳) اضافہ: وہ مسجد ...... تا ...... ہے، و حذف: بقول

اصح اور حسب تفسیر ماثور مسجد نبوی نہ کہ مسجد قبا۔ (کما ثبت عن ابی بن کعب مرفوعاً عند احمد وعن ابی سعید الحذری عند مسلم ۔ والترمذی والنسائی والبیھقی والحاکم وابن منذروابی شیخ وابن شبیه وغیرھم) (۱۴) تبدیلی: کفار وعبدۃ الاصنام۔ (۱۵و۱۶) حذف: ان کو۔

فصل دہم:

ہندوستان کے ہندو کس قسم کے غیر مسلم ہیں؟

جب وقت کی علمی صلاحیتوں کا یہ حال ہے تو عجب نہیں بعض حضرات اس تحریر میں "ذمی" کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ وارد کریں کہ "ذمیوں سے غیر مسلموں کی ایک خاص طرح کی جماعت مقصود تھی (۱)۔ عام طور پر تمام غیر مسلموں کے لیے یہ احکام کیوں کر مفید جواز ہو سکتے ہیں، ناچار اس کی نسبت بھی چند کلمات کا لکھنا ضروری ہوا۔

اولاً۔ (۲) بنیاد جواز کی جو نصوص ہیں ان میں ذمی و غیر ذمی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ وفد نجران کے عیسائی تحقیق حال کے لیے آئے تھے۔ ابھی اسلام کے محکوم ہی نہیں ہوئے تھے کہ ذمیوں میں ان کا شمار ہوتا۔ یہی حال وفد ثقیف کے ارکان کا تھا۔ اور ثمامہ بن آثال کے ربط ساریہ مسجد کی صورت تو بالکل واضح اور عدم امتیاز ذمی و غیرہ ذمی کے لیے ناطق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اسی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقیل یوذن الکتابی خاصة وحدیث الباب یرد علیه فان ثمامة لیس من اهل الکتاب (فتح الباری، جلد۱، صفحہ ۴۶۵)

ثانیاً۔ کتب فقہ کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں وہ صرف ذمیوں کے

متعلق نہیں ہیں بلکہ صریح الفاظ مشرکین وکفار کے موجود ہیں۔

ثالثاً۔ یہ مسئلہ متفرع ہے دراصل ایک اصولی حکم کے تصفیے پر، یعنی اسلام نے غیر مسلموں کی جو قسمیں قرار دی تھیں (۳) ان کے اعتبار سے ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار کس قسم میں کرنا چاہیے، فقہا نے قسمیں تین کی ہیں؛

اہل کتاب (۴)،

شبہ اہل کتاب،

مشرکین وعبدۃ الاوثان (۵)

اہل کتاب اور شبہ اہل کتاب سے جزیہ قبول کرنے اور ذمہ لینے پر (۶) سب کا اتفاق ہے۔ اہل کتاب کے لیے نص قرآنی :حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون (۷) ناطق ہے (۸) اور مجوس کے لیے (کہ شبہ اہل کتاب ہیں) نص سنت موجود ہے۔ (۹) کہ سنوا بھم سنۃ اھل الکتاب (اخرجہ البخاری) ان کے ساتھ وہ طریقہ برتو جو اہل کتاب کے ساتھ برتتے ہو۔ چناں چہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب یہ سوال پیدا ہوا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے شہادت دی کہ آں حضرت صلعم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ قبول کیا تھا اور وہی طریقہ ملحوظ رکھا تھا جو اہل کتاب کے ساتھ رکھا ہے اور اس پر تمام صحابہ نے اجماع کیا کہ مجوسیوں سے مثل اہل کتاب کے سلوک کیا جائے (۱۰)۔ باقی رہی قسم (۱۱) مشرکین کی تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ (فی احدی روایتہ) اس طرف گئے ہیں کہ مشرکین عرب (۱۲) کو اہل الذمہ میں شمار کرنا جائز نہیں (۱۳) مگر عجم کی تمام بت پرست اقوام (۱۴) کا شمار اہل الذمہ میں ہوگا

قاضی ابویوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں :

"وجمیع اهل الشرک من المجوس وعبدة الاوثان والنیران والحجارة والصابئین والسامرة توخذ منهم الجزیة ماخلا اهل الردة من اهل الاسلام واهل الاوثان من العرب فان الحکم فیهم ان یعرض علیهم الاسلام فان اسلموا والا قتل الرجال منهم وسبی النساء والصبیان" (صفحہ ۷۳)

متن ہدایہ کتاب السیر میں ہے: "وتوضع الجزیة علی اهل الکتاب والمجوس وعبدة الاوثان من العجم"

مگر حضرت امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں اور اصناف اہل الذمہ کو صرف اہل کتاب و مجوس میں محدود کر دیتے ہیں اور امام مالکؒ اور قاضی ابویوسف کا یہ مذہب ہے کہ سب کا ذمہ لیا جائے گا (۱۵) اگرچہ عرب کے بت پرست ہوں - وہ کہتے ہیں کہ اگر سورہ براۃ کے نزول اور عام تبوک کے بعد (جس میں بالاتفاق آیہ جزیہ نازل ہوئی) مشرکین عرب کا وجود باقی رہا ہوتا تو ان سے بھی جزیہ قبول کیا جاتا اور اس میں شک نہیں کہ دلائل کی قوت آخری مذہب ہی کے ساتھ ہے اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا مذہب بغایت ضعیف ہے۔

بہرحال (۱۶) جمہور کے نزدیک مشرکین عجم بھی (۱۷) شبہ اہل کتاب میں داخل ہیں، اس لیے ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار بھی قطعاً اس صنف میں ہو گا اور جو بات مجوسیوں (۱۸) کے لیے جائز رکھی گئی ہو گی، وہ ان کے لیے بدرجہ

اولیٰ جائز ہوگی (۱۹)۔

جب باوجود پرستش آتش وعدم (۲۰) ضبط شریعت مجوسیوں کی نسبت فرمایا: سنوا بھم سنۃ اھل الکتاب اور باوجود پرستش کواکب صابئین کو بھی (۲۱) جمہور نے مثل اہل کتاب کے قرار دیا، تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہندو باوجود ضبط شریعت و احکام و حفظ علوم و تمدن و ادعاے وجود صحف و کتب، محض پرستش قویٰ (۲۲) و مظاہر فطرت کی بنا پر کیوں اہل کتاب میں سے تسلیم نہ کیے جائیں؟ حافظ ابن قیم صابۂ کی نسبت لکھتے ہیں: انھم امۃ کثیرۃ واکثرھم فلاسفۃ ولھم مقالات مشھورۃ فانھم احسن حالا من المجوس فاخذ الجزیۃ من المجوس تنبیہ علی اخذھا من الصابۃ بطریق اولی فان المجوس من اخبث الامم دینا ومذھباً۔ صابی ایک بہت بڑی جماعت ہیں، جن میں اصحابِ علوم و فلسفہ پیدا ہوئے اور ان کی حالت مجوسیوں سے کہیں اچھی ہے۔ پس جب مجوسیوں سے یہ سلوک کیا گیا تو ان کے ساتھ بدرجہ اولیٰ کیا جائے گا (۲۳)۔

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے ہندو ان دونوں قوموں یعنی مجوسیوں اور صابۂ سے بھی بدرجہا بہتر مذہبی و مدنی حالت (۲۴) رکھتے ہیں۔ پس اگر ان دونوں کا شمار شبہ اہل کتاب میں ہوا تو یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ہندوؤں کا شمار بہ طریق اولیٰ ہوگا۔ حافظ ابن المنذر نے حضرت علی علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے: انا اعلم الناس بالمجوس کان لھم علم یعلمونہ و کتاب یدرسونہ اور قاضی ابو یوسف نے بہ سلسلۂ اسناد روایت کی ہے: "قال علی

انا اعلم الناس بھم کانوا اھل کتاب یقرؤنہ وعلم یدرسونہ فنزع من صدورھم " (کتاب الخراج - صفحہ ۴۲ - ولکن ضعفہ جماعت من الحفاظ کماقالہ ابن القیم)

یعنی میں سب سے زیادہ مجوسیوں کی نسبت علم رکھتا ہوں - ان کے پاس علم تھا، جسے (۲۵) پڑھتے پڑھاتے تھے اور کتاب (۲۶) (اوستا) تھی جس کے درس ونظر میں مشغول رہتے تھے -

میں کہتا ہوں کہ آج ہر وہ شخص جسے (۲۷) ہندوؤں کی حالت کا علم ہے، بعینہ یہی جملہ مع شئے زاید کہہ سکتا ہے کہ :کان لھم علوم یعلمونھا وکتب یدرسونھا وشریعۃ یعملون بھا ولکن ضلوا عن سواء السبیل کما ضلت (۲۸) النصاریٰ وقالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ واتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم - وما امروا الا لیعبدوا الٰھا واحدا سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون! (۲۹)

حواشی:

(۱) تبدیلی: ہے - (۲) حذف: تو - (۳) تبدیلی: ہیں - (۴) پہلے ایڈیشن میں "اہل کتابین" تھا - (۵) جملے میں "عامہ" سابقہ تھا، مصنف نے حذف کر دیا - (۶) حذف: تو - (۷) سورہ توبہ، آیت ۲۹ - (۸) اضافہ: ہے - (۹) اضافہ: موجود ہے - (۱۰) اضافہ: ان کے ساتھ ...... تا ...... سلوک کیا جائے - اس مقام سے یہ عبارت حذف کر دی گئی: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس معاملے میں توقف اور عبدالرحمن بن عوفؓ کی شہادت کہ خود آں حضرت صلعم نے مجوس ہجر سے جزیہ قبول کیا اور پھر بہ اجماع صحابہ مجوسیوں

سے جزیہ قبول کرنا۔ وغیر ذلک من الادلہ۔(۱۱) حذف: عام۔(۱۲) حذف: سے جزیہ لینا اور ان۔(۱۳) حذف: ان کے لیے بجز اسلام و سیف کے تیسری صورت نہیں۔(۱۴) حذف: سے جزیہ لیا جائے گا اور ان۔(۱۵) تبدیلی: سے جزیہ قبول کیا۔(۱۶) حذف: فقہاے حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ اور۔(۱۷) حذف: بہ اعتبار اخذ جزیہ و قبول ذمہ۔(۱۸) تبدیلی: مشرکین عرب۔(۱۹) حذف: اور اگر تحقیق مقام کا ایک قدم اور آگے بڑھایا جائے تو حق یہ ہے کہ ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار اہل کتابین میں ہے، نہ کہ قسماً عبدۃ الاوثان میں اور شبہ اہل کتابین میں بھی مجوس سے کہیں بلند تر مرتبہ رکھتے ہیں۔(۲۰) تبدیلی: انضباط، حذف: و احکام۔(۲۱) اضافہ: بھی۔(۲۲) حذف: اشکال و صور۔(۲۳) اضافہ: صابی ایک ...... تا ...... جائے گا۔(۲۴) تبدیلی: بہتر حالت و افضل حیثیت مذہبی و مدنی۔(۲۵) تبدیلی: جس کو۔(۲۶) حذف: ژند (۲۷) تبدیلی: جس کو۔(۲۸) تبدیلی: نسل۔(۲۹) فصل کا یہ آخری پیراگراف تھا، جو حذف کر دیا گیا:

یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب نے بہ اتفاق جمیع علماے حنفیہ۔ہند، ہندوؤں پر جزیے کے احکام جاری کیے تھے۔ نادانی و بے خبری سے ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ ان کی تذلیل و تحقیر ہے۔ حالاں کہ اگر اس وقت علماے محققین ہوتے اور وہ جزیے کی غرض و غایت اور اہل الذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کھول کر بیان کر دیتے تو ہندوؤں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ ان کی تذلیل نہیں ہے، بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوموں کے ساتھ کر سکتی ہے۔

خارج:

یہ اس تالیف کی پندرھویں فصل تھی جو مصنف نے اس ایڈیشن سے خارج کر دی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا ایک فرمان

بعض مفسرین و فقہا نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک فرمان نقل کیا ہے کہ انھوں نے غیر مسلموں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قال الامام ابو عمر الاوزاعی کتب عمر بن عبد العزیز ان امنعوا الیھود و النصاری من دخول مساجد المسلمین۔ (جلد ۴، صفحہ ۱۷۳)

لیکن جب مرفوعات کی موجودگی میں موقوفات و اقوال صحابہؓ حجت نہیں تو ظاہر ہے کہ خود شارع کے نص و فعل کے مقابلے میں صرف حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا مجرد قول اور اجتہاد کیا وزن رکھتا ہے؟ و اذا جاء نھر اللہ بطل نھر المعقل۔

خارج:

یہ اس تالیف کی سولھویں فصل تھی جو مصنف نے اس ایڈیشن میں حذف کر دی۔

ذمیوں کے دخول مسجد حرام کی نسبت

احناف کی راے اور اس کا جواب

اس وقت میں نے حافظ ابن کثیر کی تفسیر دیکھی تو حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی مؤید ایک روایت ملی، اگرچہ فتح القدیر وغیرہ نے اس سے استدلال نہیں کیا ہے۔ امام موصوف کا مذہب یہ ہے کہ مسجدِ حرام میں بھی ذمی داخل ہو سکتے ہیں۔ غالباً ان کے مذہب کی بنیاد یہ ہو کہ عبدالرزاق نے ابوالزبیر سے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے

"انه یقول فی قوله تعالیٰ: "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا۔" الا ان یکون عبدا او احدا من اهل الذمة۔"

اسی روایت کو بہ اختلافِ الفاظ امام احمدؒ نے بہ طریق حسن عن جابر مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"تفرد به الامام احمد مرفوعا والموقوف اصح اسنادا۔

(جلد ۴، صفحہ ۳۷۱)

لیکن اس روایت سے بھی جمہور کے مذہب منع (۱) پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اس

یے کہ انما المشر کون نجس فلا یقربوا کا نص عام و مطلق (۲) ہے اور اس سے اہل الذمہ اور غلاموں کو مستثنیٰ کرنا قرآن پر زیادت ہے اور جب احناف کے نزدیک ہر طرح کی زیادت نسخ ہے اور وہ خبرِ احاد مرفوع سے بھی جائز نہیں، "الزیادۃ علی الکتاب نسخ فلا یکون الا بآیۃ ناسخۃ او حدیث مشہور ناص" تو پھر محض حضرت جابرؓ کے قول سے حکم عام و مطلق قرآن پر کیوں کر زیادت جائز ہو سکتی ہے۔ علی الخصوص جب کہ دیگر دلائل و قواطع اور معامل عہدِ صحابہ و خلفاے راشدین و عمل مسترہ۔ اہل اسلام سلفاً و خلفاً اس کے ساتھ موجود ہے۔

حواشی:

(۱) حذف: دخول (۲) حذف: موجود

اس مسئلے میں احناف کے علاوہ

ائمہ ثلاثہ کی رائے

غالب جماعت علماے ہند کا عمل و فتویٰ فقہ حنفی پر ہے، اس لیے عملاً تو اس بحث کا اسی وقت خاتمہ ہو گیا جب معلوم ہو گیا کہ اس بارے میں فقہاے حنفیہ کا مذہب کیا ہے؟ لیکن تحقیق و تکمیل بحث کے لیے مناسب ہو گا اگر دیگر ائمہ اہل اسلام کے مسالک بھی صاف ہو جائیں۔ علی الخصوص جب کہ فقہ جامع سے بے خبری (۱) کی وجہ سے خلافیات میں لوگوں کی معلومات کوتاہ اور حکم اکثر حالتوں میں غلط ہوتا ہے۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی نسبت "ہدایہ" وغیرہ کی شروح میں تم نے دیکھا ہو گا کہ اس بارے میں ان کا مذہب مطلقاً منع ہے۔ اسی بنا پر تعلیل بالنجاست کے جواب میں بعض شارحین ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ دلیل شافعیہ کے لیے مفید نہیں ہو سکتی، کیوں کہ مسجدِ حرام کے علاوہ عام مساجد میں وہ بھی قائل جواز (۲) ہیں۔ البتہ مالکیہ کے لیے ہو سکتی ہے، جن کا مذہب مطلقاً منع ہے۔ لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اصلیت اس کے خلاف ہے۔

(۳) دراصل اصح و مفتی بہ مذہب مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مذہب تفصیل ہے جو

امام شافعیؒ کا ہے ۔ انھیں (۴) مطلقاً جواز سے اختلاف ہے، نہ کہ جواز مقید بالاذن والرضاء سے ۔ یہ معلوم ہے کہ فقہاو ائمہ کے اقوال و مذاہب کی نسبت بے شمار مسائل میں بسا اوقات مختلف روایتیں بلکہ متضاد روایات پائی جاتی ہیں اور فقہ حنفی میں تو اس کے نظائر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں ۔ باوجود تدوین کتب صاحبین خود صاحبین کے اقوال ظاہر الروایت میں کچھ ہیں اور غیر ظاہر الروایت کتب میں کچھ ۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے (۵) کہ کوئی مذہب نہیں جس کے مطابق کوئی نہ کوئی روایت فقہ حنفی میں نہ مل جائے ۔ (۶) بااین ہمہ عمل و فتویٰ قول اصح و مفتیٰ بہ پر ہے نہ کہ مرجوح غیر معمول بہ پر ۔ یہی حال دیگر ائمہ کے یہاں بھی پیش آیا ۔ بس دیکھنا صرف یہی نہیں ہے کہ ان کے اقوال کون کون سے منقول ہیں؟ بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان کے یہاں کی تقسیم طبقات و مسائل اور عمل و افتا کے لحاظ سے اصح اور (۷) مفتیٰ بہ قول کون ہے؟

حضرت امام احمدؒ سے اس بارے میں دو قول مشہور ہیں، ایک میں ذمیوں کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے مگر غیر ذمیوں (۸) کے لیے ناجائز ۔ (۹) دوسرے میں تمام غیر مسلموں کے لیے جائز، مگر اذن مسلم کی شرط دونوں میں ہے ۔ (۱۰) فقہائے حنابلہ کا فتویٰ و عمل اسی دوسرے قول پر ہے ۔ کتاب "المستوعب" میں (جس پر تمام فقہائے متاخرین حنابلہ کا عمل و فتویٰ ہے) تمام اقوال جمع کر دیے ہیں: "هل يجوز لكافر دخول مساجد الحل" ؟ علیٰ روایتین ۔ پھر کہا: "وان الصحيح من المذهب الجواز" بلکہ بعض اکابرِ حنابلہ کے نزدیک تو اذن مسلم کی بھی شرط نہیں ہے ۔ اگرچہ یہ قول

مرجوح ہے۔ آداب الکبریٰ ابن مفلح میں ہے:

"فی جواز دخول الکافر مساجد الحل باذن مسلم لمصلحة روایتان۔ وحکی بعض اصحابنا روایة الجواز من غیر اشتراط اذن۔"

یہی حال فقہائے مالکیہ کا ہے۔ ایک قول میں تو مطلقاً منع ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ذمیوں کو اجازت دی جا سکتی ہے، اگر مصلحت ہو۔ مگر غیر ذمیوں کو نہیں اور اکثر فقہائے مالکیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ سید محمد امیر حاشیہ، مجموعة الفقہی میں لکھتے ہیں:

ولیس لکافر دخول مساجد الحل ویجوز دخولها للذمی۔ هذا المذهب المعتمد۔ (۱۱)

حواشی:

(۱) حذف: اور اشتغال بہ مجرد فقہیات درسیہ۔ حنفیہ ۔(۲) حذف: دخول ۔(۳) حذف: اور ۔(۴) تبدیلی: ان کو ۔(۵) اضافہ: ہے ۔(۶) حذف: لیکن ۔(۷) حذف: معمول و ۔(۸) تبدیلی: ذمی کفار ۔(۹، ۱۰) حذف: اور ۔(۱۱) اس مقام پر مولانا آزاد نے تاریخ مصر سے نپولین کے مندرجہ ذیل واقعے کا حوالہ دیا تھا، جو اس ایڈیشن میں حذف کر دیا۔

"مناسبِ مقام ایک واقعہ یاد آگیا۔ سنہ (۱) میں جب نپولین بونا پارٹ نے مصر پر حملہ کر کے فتح کر لیا اور ڈھائی برس تک فرانسیسیوں کا قبضہ رہا تو خود نپولین اور اکثر افسران فوج نے علانیہ جامع ازہر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے تھے اور اسلامی نام بھی اختیار کر لیے تھے۔ مگر تمام فرانسیسی فوج بدستور عیسائی ہی سمجھی جاتی تھی اور اکثر اوقات مسجدوں میں داخل ہو جاتی تھی۔ اس پر یہ بحث

چلی کہ غیر مسلموں کو مساجد میں آنے دینا چاہیے یا نہیں؟ ازہر کے بعض علماے مالکیہ نے کہا کہ جائز نہیں، لیکن شیخ عبدالرحمان جبرتی صاحب تاریخ "عجائب الآثار" نے ایک خاص رسالہ لکھ کر ثابت کیا کہ مالکیہ کے مذہب میں بھی اذن و اجازت اہل اسلام کی شرط کے ساتھ جائز ہے۔ پس بغیر مسلمانوں کی اجازت کے عیسائی داخل نہ ہوں۔ اجازت لے کر رعایت احترام و تعظیم مسجد کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ پورا واقعہ شیخ عبداللہ شرقاوی نے تحفتہ الناظرین" میں لکھا ہے، جو اس وقت شیخ الازہر تھے، مگر کتاب مذکور اس وقت میرے پاس نہیں۔

حاشیہ بر عبارت محذوف:

(۱) جامع الشواہد میں سنہ کی علامت میں کوئی عدد درج نہیں تھا اور موجودہ ایڈیشن میں مولانا نے یہ عبارت حذف کر دی ہے، لیکن ابو الکلام اکادمی، لاہور کے ایڈیشن میں سنہ کی علامت میں ۱۷۹۸ء درج کر دیا گیا تھا۔

> "اردو دائرہ۔ معارف اسلامیہ" (جلد ۲۱) سے رجوع سے معلوم ہوا کہ یہ اندراج درست ہے، نپولین قاہرہ میں ۲۵۔ جولائی ۱۷۹۸ء کو داخل ہوا تھا۔"

خارج:

یہ اس کتاب کی اٹھارھویں فصل تھی جو اس ایڈیشن میں حذف کر دی گئی۔

مقامات و بلاد اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق کی تفصیل

خلاصہ۔ کلام یہ ہے کہ بلاد اسلام غیر مسلموں کے حق میں تین حالتیں رکھتے ہیں؛

اولاً ۔ حرم میں تو جائز نہیں کہ کسی حال میں بھی غیر مسلم کو داخل ہونے کا موقع دیا جائے، خواہ ذمی ہو، خواہ مستامن، اور کوئی قیاس اور تعلیل بالمصلحت وغیرہ اس بارے میں مسموع و مقبول نہیں۔ لظاہر الآیۃ "فلا یقربوا المسجد" وبه قال الشافعي و احمد و مالك و الجمهور من السلف والخلف والعمل علیٰ ذلک للمدینة حرم مثل حرم مکه۔

اور اگر کسی غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم سفرا آئیں یا اور کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آجائے اور امام حرم میں ہو تو ان کو اندر بلانا جائز نہیں، بلکہ چاہیے کہ خود حدودِ حرم سے باہر نکل کر ان سے ملاقات کرے۔

او یبعث الیهم من یسمع رسالتهم خارج الحرم اور گو حنفیہ کا قول اس کے خلاف ہے، مگر عمل ان کا بھی اسی پر رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کی لاعلمی میں کوئی غیر مسلم بہ تلبیس و فریب داخل ہو گیا ہو تو بہ مجرد علم اس کا اخراج واجب ہوگا۔

ثانیاً ۔ جزیرہ۔ عرب "ما احاطه به بحر الهند والشام ثم دجلة والفرات او مابین عدن ابین الی اطراف الشام طولا. ومن جدة الی

ریف العراق عرضاً" (قاموس)

وقال ابن الکلبی : " جزیرۃ العرب من اقصیٰ عدن الیٰ ریف العراق فی الطول. واما فی العرض فمن جدۃ وما والاھا من ساحل البحر الیٰ اطراف الشام وتبوک من الحجاز ۔ "

تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام وخلیفہ کے اذن سے غیر مسلم مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں، لیکن ایک مسافر کے قیام سے زیادہ ٹھہراو اور توطن جائز نہیں، یعنی زیادہ سے زیادہ تین دن تک، خاص حالتوں میں امام وقت اس سے زیادہ دنوں کی بھی اجازت دے سکتا ہے ۔ مثلاً سفرائے دول وارباب صناعت وغیرہ کو، لیکن تمکین قیام اور توطن وتقریر شرعاً جائز نہیں ۔ خواہ ذمی ہوں، خواہ مستامن، لوصیتہ صلعم:

" اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب " وغیر ذلک من نصوص السنۃ فی ھذا الباب ومنہا ماروی عن عمرؓ بن الخطاب انہ سمع رسول اللہ صلعم. یقول " لاخرجن الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الامسلماً " واجلاھم عمر فی خلافۃ باجماع الصحابہ ۔

اور اس نص صریح کے خلاف اصحابِ ظن وتخمین کی کوئی تاویل قیاسی ورائی مسموع ومقبول نہیں اور " استنباط علت مصلحت بایں طور کہ اگر کوئی مصلحت مقتضی تقریر اہل کتاب وکفار در عرب کی ہو تو اخراج ومنع توطن ضروری نہیں " ۔ صریح ردو ابطال نصوص بہ مجرد ظن ورائے بحت ہے اور گو حکم اخراج وحکم منع قیام " رائے " کے خلاف ہو ۔ لیکن قیاس صحیح وصالح اور حکمتِ عقلیہ ۔ صادقہ کے ابداً خلاف نہیں، جس طرح شریعت کا کوئی حکم قیاس صحیح کے خلاف نہیں ہے ۔ یہ موقع اس کی تفصیل کا نہیں، مگر سورہ ۔ براۃ کی تفسیر میں اس مسئلے کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں ۔ افسوس کہ صدیوں سے اسلامی حکومتوں کا عمل اس حکم صریح شارع کے برخلاف چلا آ

رہا ہے۔ علی الخصوص حکومتِ عثمانیہ نے جزیرہ۔ عرب میں غیر مسلموں کو علانیہ وقانوناً تمکین و توطن وتقریر کی اجازت دے دی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عین جدہ میں کہ نہ صرف جزیرہ۔ عرب بلکہ حدودِ حجاز میں داخل ہے۔ غیر مسلموں کی تقریر و تمکین سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا اور یہ نتیجہ ہے کتاب و سنت سے بعد اور علوم اصلیہ۔ قرآن وحدیث کے ترک وہجر کا، اور علی الخصوص علمائے اتراک کے فقیہانہ جمود و تنگی نظر کا، کہ بلا نظر و تحقیق صرف فقہ۔ حنفی کی روایات پر قوانین ملکی وسیاسی کا دار و مدار ٹھیرایا اور نصوص سنت کی اس بارے میں کچھ پروا نہ کی۔

فقہائے حنفیہ کے نزدیک تو غیر مسلموں کا اخراج خود حدود حجاز سے بھی واجب نہیں، تا بہ جزیرہ۔ عرب چہ رسد؟ اس غفلت وجہل اور ترکِ احکام شریعت ورد وصیتِ نبویؑ و سنتِ خلفائے راشدین و تشبث بہ آرا و قیاسات رجال سے جو نتائج مہلکہ پیدا ہوئے اور جن کا معاملہ اب آخری حد ظہور و بلوغ تک پہنچ چکا ہے، وہ دنیا کے ہر باشندے کے سامنے ہیں۔ حاجت بیان کی نہیں۔ البتہ بن پڑے تو ترکِ عمل بالکتاب والسنتہ کے عقوبت وعذاب پر ماتم کرنا چاہیے۔ واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرنٰھا تدمیرا(۱)۔

فی الحقیقت ترکِ عمل بالکتاب والسنت ہی کا نتیجہ وہ فتنہ۔ اصلیہ واساسیہ ہے جو آج صدیوں سے ہادم ملت اسلامیہ و محقق بدوغربت اسلام وسبب تفاقم امر واشتداد بأس ومبد۔ "ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس" (۲) ومولد ہمہ مفاسد و مہالک و باعث جمیع نوازل و زلازل وقلاقل قرناً بعد قرن وتارۃ بعد اخریٰ ہو رہا ہے۔ والناس فی غفلتھم معرضون۔

مایاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون (۳)

فانا للہ وانا الیہ راجعون (۴)۔

آج ہر طرف لوگ اسبابِ تنزل وتسفل امت پر بحث کر رہے ہیں، مگر خواص

امت اور مدعیان اصلاح و امامت فی الدین تک کو معلوم نہیں کہ اصلی سبب تمام نوازل و مصائب کا کیا ہے؟

کاش! اللہ تعالیٰ اس حقیقت کے فہم کے لیے اب بھی دلوں کا انشراح فرما دے کہ جن جن چیزوں کو سبب سمجھ رکھا ہے وہ خود کسی علت و اصلی کی فرع ہیں، علت و اصلیہ نہیں ہیں۔ اصلی علت اول روز سے ایک ہی رہی ہے اور آج تک ایک ہی ہے۔ یعنی ترکِ عمل بالکتاب والسنتہ اور اقتصار بر مجرد روایات فقہیہ والتزام تمذہب وجوباً، و سد باب نظر و اجتہاد و تفقہ فی الدین، ایک واضح نظیر اس کی یہی مسئلہ۔ تقریر کفار در جزیرہ۔ عرب و عدم وجوب اخراج اہل کتاب ہے، جس پر محض بربنائے تقلید فقہائے حنفیہ سلاطین اہل اسلام عمل کرتے رہے، اور نص رسول کو بہ مقابلہ۔ آرا و قیاسات رجال پس پشت ڈال دیا۔ اس کا تخم اوائل ہی میں پڑ چکا تھا، لیکن آج برگ و بار مسلمانوں کے سامنے ہیں، اور ہر ذی عقل موجودہ حالات کو دیکھ کر فیصلہ کر لے سکتا ہے کہ حق وہ تھا جو اللہ کے رسولؐ کی وصیت اور متبعین ظواہر نصوص کا مسلک تھا، یا حق یہ ہے جو اربابِ آرا و تاویلاتِ قیاسیہ نے اختیار کیا؟

بایں ہمہ اب تک بدستور تشخیص مرض سے اعراض اور تجویز و تنفیذ علاج سے جہل و اغماض ہے۔ آج کون ان مسلمانوں کو، جو ایک ہی صراط مستقیم کو چھوڑ کر سبل متفرقہ میں بھٹک گئے ہیں، یہ بتلائے کہ راہِ فوز و مکافات ماسلف وہ نہیں ہے، جس کا غلغلہ و ہنگامہ ہر طرف مچایا جا رہا ہے، بلکہ صرف ایک ہی تھی اور ایک ہی ہے۔ یعنی بحکم "عضوا بالنواجذ" اعتصام بالکتاب والسنتہ اور بہ تعمیل وصیتِ نبویؐ بہ حذیفہ کہ فاعتزل تلک الفرق کلھا و ان تعض باصل شجرۃ" (رواہ البخاری) ترک ماسواھما و ان تعضوا باصل شجرۃ!

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خم طرہ یارے گیرند

بہرحال دوسری قسم بلادِ اسلامیہ کی بحق کفار جزیرہ۔ عرب ہے، جس کی نسبت شریعت حقہ کا حکم وہ تھا اور مسلمانوں نے عمل یہ کیا، اور اس کی پاداش میں وہ سب کچھ ہوا، جو ہو چکا ہے اور وہ سب کچھ ہونا ہے جو ہو رہا ہے۔ تا از پردہ۔ غیب چہ رومی دہد، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا (۵)۔

ثالثاً۔ تمام ممالکِ اسلامیہ و بلاد محکوم بحکومتِ اسلام، تو ان کا حکم یہ ہے کہ غیر مسلموں کو (خواہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب) ان میں توطن و قرار کا موقعہ دینا جائز ہے اور اس کی شرعاً دو صورتیں ہیں؛ عہد اور امان وذمہ۔

اور جب کوئی جماعت ذمیوں میں داخل ہو گئی تو اس کو وہ تمام حقوق امن و نظم و شہریت کے حاصل ہو گئے جو خود مسلمانوں کو شرعاً حاصل ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ وہ مسجدوں میں داخل ہو سکتے ہیں، مگر امام وقت یا مسلمانوں کی اجازت و رضا سے۔

حواشی:

(۱) سورہ۔ بنی اسرائیل، آیت ۱۶۔ (۲) سورہ۔ روم، آیت ۴۔ (۳) سورہ۔ انبیا۔ آیت ۱، ۲۔
(۴) سورہ۔ بقرہ، آیت ۱۵۶، ف زائد (۵) سورہ۔ طلاق، آیت ۱۔

فصل دوازدہم :

کیا مسجدیں صرف نماز کے لیے ہیں؟

بعض صاحبوں نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ :

"مسجد صرف عبادت کے لیے ہے، اس لیے اس قسم کی مجلسیں وہاں منعقد کرنا جائز نہیں ہے۔"

یہ بات پہلے بھی (۱) کہی گئی ہے اور ایک (۲) سے زیادہ مرتبہ اس بارے میں بالتفصیل لکھ چکا ہوں۔ یہاں اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ :

"مسجد عبادت کے لیے ہے۔" اس کا مطلب کیا ہے؟ اگر یہ مطلب ہے کہ :

انما بنیت المساجد لما بنیت له (مسلم عن ابی ہریرہ) اور وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً (۳)۔

تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن اگر مقصود یہ ہو کہ بجز نماز کے اس میں اور کچھ نہیں (۴) ہونا چاہیے تو اس قول سے بڑھ کر جہل بالشریعت کا اور کوئی قول نہیں ہو سکتا۔ یہ دواوین و اسفار سنت اور قناطیر مقنطرہ کتبِ شریعت موجود ہیں، جن سے مسجد میں (۵) بے شمار اعمال و اجتماعات کا صریح ثبوت ملتا ہے (۶) اور بالاتفاق (۷) آئمہ اسلام نے نہ صرف

ان کے جواز پر بلکہ ان کے استحسان (۸) پر اتفاق کیا ہے - پھر ان سب کا جواب کیا (۹) ہو گا؟ اور نہیں تو صرف صحیح بخاری ہی کے وہ ابواب دیکھ لیے جائیں، جو احکام مسجد کے متعلق ہیں (۱۰) کہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارتِ مسجد سے کیا کیا کام لیے ہیں؟

وفود کے نزول و قیام کی روایتیں اوپر گزر چکیں - دراصل عہدِ نبویؐ میں مسجدِ نبویؐ ہی (۱۱) سرکاری مہمان سرا کا بھی کام دیتی تھی - عمارتوں کی تعمیر و تخصیص عہدِ فاروقی سے شروع ہوئی ہے -

اموال غنائم اور خراج و زکوۃ وغیرہ بھی مسجد ہی میں لائے جاتے تھے اور وہیں لوگوں میں تقسیم ہوتے تھے - عہدِ خلفاے راشدین میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا - امام بخاری نے باب باندھا ہے: "باب القسمة وتعليق القنو في المسجد" -

اور حضرت انسؓ کی روایت درج کی ہے کہ جب بحرین سے خراج آیا تو آپؐ نے حکم دیا:

"انثروه في المسجد" "مسجد میں پھیلا دو (۱۲)-

چناں چہ نماز کے بعد تقسیم کے لیے بیٹھے اور مسجد ہی میں تقسیم فرمایا -

مسجد ہی دار القضاء (۱۳) تھی - بے شمار واقعات اس کی نسبت موجود ہیں - امام بخاری نے باب باندھا ہے:

"القضاء واللعان في المسجد" - اور واقعہ لعان کی مشہور روایت لائے ہیں - مسافر کا مسجد میں قیام بالاتفاق جائز ہے اور امام بخاری نے باب

باندھا ہے: "نوم المراۃ فی المسجد"۔

اور اس میں یہ روایت حضرت عائشہؓ ولیدہ (ایک لڑکی) کے آنے اور مسلمان ہونے اور مسجد میں قیام کرنے کا واقعہ لائے ہیں۔

فکانت لہا خباء فی المسجد"۔ خباء یعنی خیمہ، مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے مسجد میں ایک خیمہ کھڑا کر دیا گیا تھا (۱۳)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نو عمر و مجرد تھا اکثر مسجد میں سو جایا کرتا تھا۔ حضرت علیؓ کا مسجد میں سونا اور آں حضرت صلعم کا آکر قم یا اباتر اب کہنا معلوم ہے۔

مسجدِ نبویؐ ہی فقرا و صعالیک کی دارالاقامت اور متعلمین قرآن و شریعت کے لیے درس گاہ تھی۔ اصحابِ صفہ کے تلقب کا سبب یہی ہے کہ مسجد میں ان کے لیے ایک صفہ (چبوترہ) تھا، جہاں شب و روز پڑے رہتے تھے امام بخاری، ابوہریرہؓ کی روایت "نوم فی المسجد" میں لائے ہیں کہ اصحابِ صفہ میں سے میں نے ستر آدمیوں کو دیکھا جن کے جسم پر پورا کپڑا بھی نہ تھا۔

مسجدِ نبوی میں علاوہ جماعت صلوۃ کے ہر طرح کی مجلسیں اور صحبتیں بھی منعقد ہوتی تھیں۔ آں حضرت صلعم کی نشست اکثر اوقات یہیں رہتی اور تمام معاملات دینی و دنیوی کی نسبت جو کچھ مشورہ (۱۴) ہوتا تھا، یہیں ہوتا تھا۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ "مسجد صرف نماز کے لیے ہے" ان سے پوچھنا چاہیے کہ فوجوں کی تیاری اور تربیت، اس کے لیے مالی اعانات کی فراہمی، مفتوحہ بلاد کے ملکی انتظامات وغیرہ، ان کی اصطلاح میں کس قسم کے کام ہیں؟ نماز یا غیر

نماز، دینی یا سیاسی، صریح و قاطع روایتیں موجود ہیں کہ یہ تمام امور مسجد ہی میں انجام پاتے تھے۔

حمایت و نصرت حق میں نظم و نثر کا پڑھنا اور لوگوں کا جمع ہو کر سننا، کس قسم کا عمل ہے، لیکن معلوم ہے کہ مسجد نبویؐ میں حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے قصائد سناتے تھے اور خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور خوش ہو کر دعا دیتے تھے "اللھم ایدہ بروح القدس"۔ حسان نے اس پر ابوہریرہؓ سے تصدیق چاہی اور انھوں نے کہا سچ ہے۔ امام بخاری نے اسی روایت سے مسجد میں شعر سنانے کے جواز (۱۵) کا استنباط کیا اور اس کے لیے ایک باب باندھا ہے اور ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ: "کان رسول الله صلعم ینصب لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیه یھجو الکفار"۔ یعنی آں حضرت صلعم حسانؓ کے لیے مسجد میں ممبر رکھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر اعدائے مکہ (۱۶) کی ہجو میں اپنے اشعار سناتے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "غنیۃ الطالبین" میں لکھتے ہیں:

"لا بأس بانشاد شعر فی المسجد خال من سخف وھجاء للمسلمین (ثم قال) والاولی صیانة عنھا الا ان تکون من الزھدیات فیجوز الاکثار لان المساجد وضعت لذکر الله۔ "یعنی مضائقہ نہیں اگر مسجد میں ایسے اشعار سنائے جائیں جو اچھے مطالب پر مشتمل ہوں، البتہ افضل یہی ہے کہ مسجد میں ایسا نہ ہو۔ الا یہ کہ زہد و عبادت کے مضامین کے اشعار ہوں (۱۷)۔ علامہ سفارینی شرح منظومۃ الآداب میں لکھتے ہیں:

"قلت و مثل الزهدایات بلی اولی مافیه مصلحة للمسلمین من هجو اعداء الله وتحریص المومنین علی اتباع الحق والاجتناب عن السیات ۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ زہد و تعبد کے اشعار ہی کی طرح مگر ان سے بھی اولیٰ ان اشعار کا پڑھنا ہے جو اسلام اور امت کے مصالح کے لیے نافع ہوں (جلد ۲، صفحہ ۲۵۸)(۱۸)۔

اور آں حضرت صلعم کے نماز صبح کے بعد مصلی پر کچھ عرصے تک تشریف فرما رہنے والی روایت میں بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہم لوگ نماز کے بعد ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے تھے اور عہدِ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کیا کرتے تھے ۔ آں حضرت صلعم دیکھتے اور کبھی کبھی متبسم ہو جاتے ۔

بر آسمان چہارم مسیح بیمار ست
تبسمے ز تو بہر علاج می طلبد (۱۹)

اور ثوبان کی روایت متضمن منع انشاد شعر کہ : "من رایتموہ ینشد شعرافی المسجد ..." (الخ) تو بالاتفاق اس سے مقصود اشعار نسیب (۲۰) و مطالب جاہلیت ہیں، نہ کہ نفس انشادِ شعر (جمعاً بین الاحادیث)۔

عہدِ نبویؐ میں مسجد ہی شفاخانے کا کام دیتی تھی ۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے :باب الخیمة فی المسجد للمرضی و غیرھم ۔ جنگ خندق میں سعد زخمی ہوئے تو آں حضرت صلعم نے مسجد میں خیمہ نصب کرا دیا اور اسی میں رکھا تاکہ قریب رہیں ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں بجز نماز کے اور کچھ نہیں ہونا چاہیے، نہیں

معلوم وہ لعب حبشہ والی روایت (۲۱) سن کر کس قدر متعجب ہوں گے۔

امام بخاری نے تو ایک خاص باب ہی اس واقعے کی بنا پر باندھ دیا:
"باب اصحاب الحراب فی المسجد" (الحراب بالکسر جمع حربہ)- نیچے حضرت عائشہؓ کی روایت لائے ہیں: "لقد رایت رسول اللہ صلعم یوما علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد"- دوسری روایت میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے اور تفصیل آگے آئے گی (۲۲)- حافظ عسقلانی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وفی بعض طرق ھذا الحدیث ان عمر انکر علیھم لعبھم فی المسجد فقال لہ النبی صلعم دعہ" (فتح الباری، میری، جلد نمبر ۱، صفحہ ۲۵۷)- کہ اس روایت کے بعض دوسرے طریقوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حبشیوں کو مسجد میں کھیلنے سے روکنا چاہا مگر آں حضرت صلعم نے فرمایا نہ روکو -(۲۳)

بلاشبہ ان واقعات میں بہت سے واقعات ایسے تھے جو اوائل میں عارضی طور پر احتیاجاً وقوع میں آئے، اور اب ضروری نہیں کہ انھیں بہ طور عادت و التزام کے اختیار کیا جائے (۲۴)- مثلاً یہی آخری واقعہ، لیکن مقصود ان واقعات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ مسجد صرف نماز کے لیے ہے تو (۲۵) سوچ سمجھ کر کہنا چاہیے، یہ نہیں کہ جو منہ میں آیا کہہ دیا اور جو بات اپنی ہوا و خواہش کے خلاف ہوئی (۲۶) جھٹ ناجائز ٹھیرا دی (۲۷)- یہ معلوم ہے کہ مسجد اللہ کی عبادت اور ذکر کے لیے ہے، لیکن مسجد کا

نماز کے لیے ہونا کب اس سے مانع ہے کہ تبعاً دیگر مقاصد صالحہ و حقہ کے لیے بھی (۲۸) استعمال میں لائی جائے؟ (۲۹)

آں حضرت صلعم کے طرز عمل کے لیے گذشتہ اشارات کافی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا جو حال رہا وہ تو اس درجے واضح ہے کہ اس میں کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ (۳۰) اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ ہمیشہ مسجد نبویؐ ہی رہی۔ یہی مشورت گاہِ اعیان ملت و اصحاب حل و عقد (۳۱) تھی، جس میں سارے ملکی و سیاسی (۳۲) معاملات فیصل ہوتے اور انجام پاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب کبھی کوئی اہم مشورہ طلب معاملہ پیش آتا تھا تو ایک آدمی مقرر تھا، (غالباً مؤذن) جو شہر میں بایں الفاظ اعلان کرتا: الصلوۃ جامعتہ یہ سنتے ہیں لوگ مسجد میں جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ جب تمام لوگ آچکتے تو حضرت عمرؓ حاضرین کو مخاطب کرتے اور مشورہ طلب معاملہ کثرتِ رائے سے طے پاتا۔ (طبری، مطبوعہ۔ مصر، جلد نمبر ۵، صفحہ ۱۵۳)

حضرت عمرؓ نے مہاجرین کی ایک خاص مجلس شوریٰ بھی قائم کی تھی جو اس عام مجلس کے علاوہ تھی۔ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ یہ مجلس ہمیشہ مسجد ہی میں منعقد ہوتی تھی۔ مجوسیوں کو اہل الذمہ قرار دینے کا مسئلہ اسی مجلس میں طے ہوا تھا۔ کان للمہاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معھم فیہ و یحدثھم عما ینتھی الیہ من امر الآفاق۔ (فتوح البلدان، مطبوعہ۔ لیڈن، صفحہ ۴۰۷)

زہری حضرت ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب فارس سے

مال غنیمت کا پانچواں حصہ حسبِ دستور مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد میں رکھا جائے، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات بھر بعض صحابہ نے پاسبانی کی۔ دوسرے دن تمام مسلمان مسجد میں جمع ہوئے اور مال تقسیم کیا گیا۔

کتاب الخراج میں قاضی ابویوسف لکھتے ہیں:

"حدثنی علی بن عبداللہ عن الزهری عن سعید بن المسیب قال لما قدم علی عمر باخماس فارس. قال واللہ لا یجنها سقف دون السماء حتی اقسمها بین الناس فامر بها فوضعت بین صفی المسجد وامر عبدالرحمن بن عوف و عبداللہ بن ارقم فباتا علیها ثم غدا عمرؓ عنه بالناس علیه (صفحہ ۲۷)۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (۳۳) اور عہدِ خلفا میں مسجدِ نبویؐ ہی تمام مجالس و مجامع کا محل تھی اور تمام معاملات ملکی و سیاسی یہیں طے پاتے تھے (۳۴) اس لیے گو روایات میں (۳۵) لفظ "مسجد" کی تصریح نہ ہو، لیکن جہاں کہیں مجالس کے انعقاد یا مباحث و مشورت (۳۶) کا ذکر کیا گیا ہے، مقصود اس سے یہی ہے کہ مسجد ہی میں وہ سب کچھ ہوا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس ملکی کا جس قدر حال قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج میں یک جا مل جاتا ہے شاید اور کہیں نہ ملے، کیوں کہ کتاب کا موضوع محاصل و خراج کے احکام (۳۷) ہیں اور تقریباً تمام مالی مسائل کا (۳۸) انفصال حضرت عمرؓ ہی (۳۹) کے زمانے میں ہوا ہے۔ کتاب الخراج میں جا بجا موجود ہے، ان عمر جمع اناسا فقال کذا و کذا۔ ان عمر شاور اصحاب

النبی ۔ ان عمرؓ استشار الناس فقالو کذا ۔ جمع الناس ثم قام خطیباً فقال (الخ) اور اسی طرح عام کتبِ آثار و تاریخ میں تو گو ان روایات میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ تمام مجلسیں مسجد ہی میں ہوئی تھیں ۔ لیکن چوں کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دار الشوریٰ اور دیوان ملکی مسجد نبویؐ ہی تھی، اس لیے ان تمام روایات میں سے ہر روایت " ما نحن بصدده " کے لیے (۴۰) ایک دلیل کا حکم رکھتی ہے ۔

اصل یہ ہے کہ ساری مصیبت قلت و فقدان علم اور زیغ نظر و فہم کا ہے اور اسی نے ہر معاملہ ۔ علم اور ہر وادی ۔ عمل میں آفتیں برپا کر رکھی ہیں ۔ نظریں کوتاہ ہو گئیں، معلومات درسیات و (۴۱) شروح کے اندر محدود ہیں، دین میں فقاہت باقی نہ رہی ۔ نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایک بات کان میں پڑ جاتی ہے (۴۲) اور دنیا جہاں کا فیصلہ اسی سے کر دیا جاتا ہے (۴۳) ۔ اسی حالت کی نسبت کہا گیا ہے : حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاءً ۔

" لوگوں نے کہیں صرف یہ (۴۴) دیکھ لیا ہے کہ " مسجد عبادت کے لیے ہے " ، لیکن نہ تو اس کا مطلب سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کا انتظار ہے ۔ لعب حبشہ و اصحاب الحراب والی روایت اوپر گزر چکی ہے ۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مسجدِ نبویؐ کے صحن میں ایک مرتبہ حبشی ہتھیاروں کے ساتھ اپنا ناچ اور کرتب دکھلاتے تھے، جو دراصل ایک طرح کی فوجی ورزش ہے ۔ آں حضرت صلعم نے حضرت عائشہؓ کو حجرے کے دروازے سے ان کو کھیل دکھایا ۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک سامنے کر دیا تھا، اس پر سے

حضرت عائشہؓ جھانک کے دیکھتی رہیں - دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو روکنا چاہا تھا کہ مسجد میں کھیل کود نہ کرو، مگر آپؐ نے فرمایا: نہ روکو، کھیلنے دو - کمامر سابقاً - حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"فيه جواز ذالک فی المسجد" یعنی اس سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنا مسجد میں جائز ہے - قال واللعب بالحراب ليس لعباً مجرداً بل فيه تدريب الشجعان على مواقع الحروب والاستعداد للعدو. وقال المهلب المسجد موضوع لامر جماعة المسلمين فما كان من الاعمال يجمع منفعة الدين واهله جاز فيه (فتح، جلد ۱، صفحہ ۴۵۷) یعنی ہتھیاروں کے ساتھ کھیل محض کھیل ہی نہیں ہے، بلکہ ایک طرح کی مردانہ اور جنگی ورزش ہے، جس سے دشمن کے مقابلے کی استعداد بڑھتی اور شجاعت و ہمت کو تحریک ملتی ہے - اس لیے آپؐ نے (۴۴) مسجد میں جائز رکھی (۴۵) اور مہلب نے کہا مسجد بنائی گئی ہے جماعت (۴۶) کے فائدے کے لیے - پس تمام ایسے کام جو اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے ہوں، اس میں جائز ہوں گے -

اوپر گزر چکا ہے کہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے: "الاغتسال اذا اسلم وربط الاسير فی المسجد" - اس ترجمہ باب کے اصل نسخہ بخاری میں ہونے نہ ہونے کی نسبت اختلافات ہیں اور بہ صورت اثبات (۴۷) ترجمے کے ربط و مطابقت کی نسبت شارحین نے بحثیں کی ہیں - اسی سلسلے میں حافظ موصوف لکھتے ہیں:

۔ ادعی ابن المنیر ان ترجمة هذا الباب ذکر البیع و الشراء فی المسجد ۔ قال و مطابقتها بقصة ثمامة ان من تخیل منع ذلک اخذہ من عموم قوله انما بنیت المساجد لذکر الله فاراد البخاری ان هذا العموم مخصوص باشیاء غیر ذلک ۔ منها ربط الاسیر فی المسجد فاذا جاز ذالک للمصلحة فکذلک یجوز البیع و الشراء للمصلحة فی المسجد (صفحہ ۴۶۲) یعنی ابن منیر نے اس کی نسبت یہ کہا ہے کہ دراصل اس باب کا ترجمہ متعلق ہے ذکر بیع والشراء فی المسجد سے، اور قصہ ثمامۃ سے اس کی مطابقت یوں ہے کہ جس کسی نے خرید و فروخت (۴۷) کو ممنوع خیال کیا تو اسی بنا پر کہ انما بنیت المساجد لذکر الله کے عموم پر اس کی نظر گئی ۔ یعنی اس نے خیال کیا کہ جب مسجدیں صرف اللہ کے ذکر کے لیے موضوع ہیں تو پھر خرید و فروخت (۴۸) کا ذکر اذکار اس میں کیوں جائز ہو؟ پس امام بخاری نے یہ شبہ (۴۹) کرنا چاہا اور دکھلانا چاہا کہ انما بنیت المساجد لذکر الله کے حکم عام کی تخصیص (۵۰) ثابت ہے ۔ ازاں جملہ یہ کہ قیدی کو مسجد میں باندھنا اور رکھنا جائز ہے اور جب بربنائے مصلحت یہ بات جائز ہوئی تو خرید و فروخت کا ذکر (۵۱) کیوں جائز نہ ہو؟ انتہیٰ ۔ ہمیں یہاں اس سے (۵۲) بحث نہیں کہ اس باب کے ترجمہ و مطابقت (۵۳) کی نسبت یہ توجیہ کہاں تک درست ہے؟

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: و لا یخفی مافیه من التکلف ۔ مقصود اس قول کے نقل کرنے سے یہ (۵۴) ہے کہ آئمہ، فقہ و حدیث نے انما بنیت

المساجد مما بنیت لہ اور "لذکر اللہ" کا مطلب کیا سمجھا ہے؟ (۵۵) ابن منیر کے قول سے ضمناً یہ حقیقت واضح ہو گئی۔

دراصل حکم انما بنیت المساجد لما بنیت لہ اور بینت لذکر اللہ کو اگر عام و مطلق مان لیا جائے تو بھی (۵۶) کوئی مضائقہ نہیں۔ پہلے (۵۷) لما بنیت لہ اور "ذکر اللہ" کا صحیح مطب سمجھ لینا چاہیے۔ وہ ساری باتیں جو آں حضرت صلعم و خلفاے راشدین نے مسجد میں کیں اور وہ اکثر امور جن سے آج کل کے مدعیان علم و حفظ شریعت روک رہے ہیں "ذکر اللہ" اور (۵۸) موضوع بناے مسجد میں داخل ہیں۔ خود قرآن حکیم نے خطبہ۔ وعظ جمعہ پر "ذکر" کا اطلاق کیا ہے: اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (۵۹)۔

سب نے اتفاق کیا کہ یہاں "ذکر اللہ" سے مقصود خطبہ جمعہ ہے، نہ کہ صلوۃ اور اسی لیے وذروا البیع، یعنی کاروبار چھوڑ دو (۶۰) کے حکم کی تعمیل بہ مجرد سماع ندا (اذان) واجب ہے، نہ کہ ہنگام قیام صلوۃ۔ اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہے کہ آں حضرت صلعم کے جن خطبات جمعہ کو اللہ نے "ذکر اللہ" فرمایا، ان میں صرف یہی نہیں ہوتا تھا کہ "موت (۶۱) یاد کرو اور روتے رہو" جیسا کہ اب ہو رہا ہے، بلکہ ان میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا جاتا تھا جن کو آج کل کی جدید تقسیم اعمال (۶۲) میں "دنیوی معاملات" قرار دیا جاتا ہے۔ جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کے مصالح دینی و دنیاوی کی کوئی بات پیش آ گئی ہے تو آپ نے جمعہ کے دن خاص طور پر اسی کی نسبت خطبہ دیا ہے۔ ایسے (۶۳) ہی

خطبات خلفاے راشدین کے ہوتے تھے۔ چناں چہ یہ حقیقت ان تمام لوگوں پر روشن ہے، جنھوں نے (۶۴) خطباتِ نبوت و خلفا کا مطالعہ کیا ہے (۶۵)۔

حواشی:

(۱) حذف: بارہا۔ (۲) حذف: بار۔ (۳) قرآن حکیم، سورہ۔ جن، آیت ۱۸۔ (۴) تبدیلی: نہ۔ (۵) تبدیلی: صریح و قطعی اثبات۔ (۶) تبدیلی: و مجالس فی المساجد کا ہوتا۔ (۷) حذف: تمام۔ (۸) تبدیلی: مستحسن و مسنون ہونے۔ (۹) تبدیلی: کیا جواب۔ (۱۰) تبدیلی: وہ ابواب متعلق احکام مسجد دیکھ لیے جائیں۔ (۱۱) حذف: اور تمام عمارتوں کی طرح۔ (۱۲) تبدیلی: ای صبوہ فی المسجد۔ (۱۳) حذف: والافتا۔ (۱۴) اضافہ: مطلب یہ ہے ...... تا ...... کر دیا گیا تھا۔ (۱۵) تبدیلی: تھی اور تعلیم و صحبت و صدور احکام و مشورہ و معاملات وغیرہ۔ (۱۶) تبدیلی: جوازِ انشادِ شعر فی المسجد۔ (۱۷) تبدیلی: کفار۔ (۱۸) اضافہ: یعنی مضائقہ ...... تا ...... اشعار ہوں۔ (۱۹) اضافہ: یعنی میں ...... تا ...... نافع ہوں (۲۰) اضافہ: شعر

بر آسمان چہارم مسیح بیمارست
تبے ز تو بہر علاج می طلبد

(۲۱) حذف: و معاشقہ۔ (۲۲) حذف: کو۔ (۲۳) حذف: بہ وجہ شہرت احتیاج ذکر نہیں۔ (۲۴) اضافہ: کہ اس روایت ...... تا ...... نہ روکو۔ (۲۵) تبدیلی: بحالت اعتیاد والتزام ان کو ضرور روکا جائے گا۔ (۲۶) حذف: اس کو۔ (۲۷) حذف: اس کو۔ (۲۸) تبدیلی: بتلا دیا۔ (۲۹) اضافہ: بھی (۳۰) اس مقام سے یہ عبارت حذف کر دی گئی: اور ذکر کا مطلب ہی لوگوں کو معلوم نہیں۔ قرآن کی زبان میں ہر قول و فعل حق ذکر ہے اور معاملات خدمت نوع و ملت وہدایت و اصلاح امم و دفع جور و اعتداے اعداے حق تو عین ذکر کے مدلول میں داخل ہے اور دلیل اس کی خود آں حضرت صلعم اور صحابہ و خلفاے

راشدین مہدیین کا عمارت مسجد کو تمام مقاصد ملیہ و اجتماعیہ۔ صالحہ کے لیے بالاتفاق کام میں لانا ہے۔ (۳۱) تبدیلی: مندرجہ ذیل عبارت حذف کر دی گئی: اس باب میں سب سے زیادہ واضح و قاطع اور علی الخصوص اجتماعات حاضرہ کے لیے پوری طرح اسوہ۔ حسنہ ہے۔ (۳۲) حذف: و عامہ۔ اہل اسلام۔ (۳۳) حذف: و مالی۔ (۳۴) اضافہ: کے زمانے میں۔ (۳۵) حذف: اور معاملات ملکی از قبیل تقسیم غنائم و تجہیز جیش و انفصال مہمات کی جگہ تھی۔ (۳۶) تبدیلی: روایات میں گو۔ (۳۷) تبدیلی: بحث و مباحثہ، خطبات و مذاکرہ وغیرہ۔ (۳۸) تبدیلی: خراج و مشورہ و جزیہ وغیرہ محاصل مالیہ۔ (۳۹) حذف: عملی۔ (۴۰) اضافہ: ہی۔ (۴۱) تبدیلی: مستقلاً دلیل و شاہد۔ (۴۲) حذف: چند۔ (۴۳) تبدیلی: پڑ گئی۔ (۴۴) اضافہ: جاتا ہے۔ (۴۵) تبدیلی: صرف یہ کہیں۔ (۴۶) حذف: اس کو۔ (۴۷) تبدیلی: رکھا۔ (۴۸) حذف: اہل اسلام۔ (۴۹) حذف: ترجمہ اس۔ (۵۰) تبدیلی: ذکر بیع و شراء۔ (۵۱) تبدیلی: بیع و شراء۔ (۵۲) تبدیلی: اس شبہ کو ادا۔ (۵۳) تبدیلی: کے لیے تخصیص بہت سی باتوں میں۔ (۵۴) تبدیلی: ذکر بیع و شراء بربنائے مصلحت۔ (۵۵) حذف: کوئی۔ (۵۶) حذف: روایت۔ (۵۷) حذف: دکھلانا۔ (۵۸) حذف: اور۔ (۵۹) تبدیلی: پہلے یہ جملہ اس طرح تھا: "مطلق بھی مان لیا جائے تو کوئی"۔ (۶۰) اضافہ: پہلے۔ (۶۱) حذف: اصل۔ (۶۲) قرآن حکیم، سورہ۔ جمعہ، آیت ۹۔ (۶۳) اضافہ: یعنی کاروبار چھوڑ دو۔ (۶۴) حذف: کو (۶۵) حذف: انسانیہ۔ (۶۶) تبدیلی: ایسا۔ (۶۷) مسودے میں مصنف کے قلم سے "جنھیں" نکلا تھا۔ جملے کی ساخت کے پیش نظر "جنھوں نے" بنا دیا گیا۔ (۶۸) مصنف نے یہ سطریں کتاب میں حذف کر دیں:

"میں نے گزشتہ سال ایک رسالہ مقاصد و احکام جمعہ پر لکھا ہے۔ اس میں خطبہ۔ جمعہ کی حقیقت اور اس بارے میں ہدی نبوت و اسوۃ۔ حسنہ۔ خلفاے راشدین کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے۔ اگر نوبت طبع و توزیع کی آئی تو انشا۔ اللہ اس باب میں نافع اور قاطع ہو گا۔"

فصل سیزدہم:

رفع الصوت فی المسجد اور حضرت عمرؓ کی روایتؓ کی تشریح

بعض حضرات نے اس مسئلے میں مجتہدانہ استنباط اور (۱) دقایق آفرینیوں (۲) کی بھی نمایش کرنی چاہی ہے - ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جب مسجد میں پکار کر بات کرنے سے بھی روک دیا گیا کہ احترام مسجد کے خلاف ہے، حتی کہ حضرت عمرؓ نے دو شخصوں سے کہا اگر تم شہر کے باشندے ہوتے، مسافر نہ ہوتے تو میں (۳) سخت سزا دیتا، تم مسجد رسول اللہ میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو - تو پھر اس طرح کے " مخلوط جلسے " اور تقریر و بحث کا ہنگامہ کب جائز ہو سکتا ہے؟ "

حقیقت یہ ہے کہ آج کل مذہبی مسائل کی نسبت جس قدر خامہ فرسائیاں کی جارہی ہیں ان سے اور کوئی نتیجہ تو نکلتا نہیں (۴) صرف یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے علمی تنزل کے ماتم گسار ہیں، ان کے لیے درد و غم اور حسرت و اندوہ کا ایک نیا سامان بڑھ جاتا ہے -

اول تو مخلوط اور غیر مخلوط مجالس کی جدید تقسیم سے اصول فقہ میں جو اضافہ کیا گیا ہے معلوم نہیں وہ کس " نور الانوار " اور " تلویح " سے ماخوذ ہے؟

پھر کاش "رفع الصوت فی المسجد" اور حضرت عمرؓ والی روایت کا مطلب کسی متداول شرح کی مدد سے سمجھ لیا ہوتا۔ امام بخاری نے صحیح میں باب باندھا ہے: "مسجد میں آواز بلند کرنے کا حکم" اور اس میں دو روایتیں لائے ہیں۔

پہلی روایت یہی حضرت عمرؓ والی ہے۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا۔ ایک اور روایت میں قائما کی جگہ نائماً ہے اور حاتم کی روایت میں کنت مضطجعا ہے۔ یعنی سو رہا تھا (۵) یکایک کسی نے مجھ پر کنکری پھینکی۔ دیکھا تو عمرؓ بن الخطاب ہیں۔ انھوں نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آئے تو ان سے پوچھا تم کون ہو؟ یا کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے کہا: طائف کے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "لو کنتما من اهل البلد لا وجعتكما۔ ترفعان اصواتكما فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم، یعنی اگر تم شہر کے رہنے والوں میں سے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیے بغیر نہ رہتا۔ تم رسول اللہ کی مسجد میں پکار کر باتیں کرتے ہو (۶)۔ اس کے بعد دوسری روایت عبداللہ بن کعب کی لائے ہیں۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کعب بن مالکؓ اور ان کے ایک مقروض مسجد میں اپنے قرضے کی نسبت بات چیت کر رہے تھے، یہاں تک کہ چلا چلا کر باتیں کرنے لگے اور ان کی آواز آں حضرت صلعم نے اپنے حجرے میں سن لی۔ اس پر (۷) آپؐ نکلے اور کعبؓ کو اشارہ کیا کہ اس قدر اپنے قرض میں سے چھوڑ دو ...... الخ۔ ان دونوں روایتوں کو اس باب میں امام بخاری نے اس لیے جمع کیا کہ

مسئلے کے دونوں پہلو منع و جواز کے واضح کرنا چاہتے تھے - وھذا من کمال فقھہ ودقۃ استنباطہ - حافظ عسقلانی لکھتے ہیں :

" اشار بالترجمة الی الخلاف فی ذلک۔ فقد کرھه مالک مطلقاً - سواء کان فی العلم ام فی غیرہ - وفرق غیرہ بین مایتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی و بین مالا فائدة فیه وساق البخاری فی الباب حدیث عمرؓ الدال علی المنع وحدیث کعب الدال علی عدمه اشارة منه الی ان المنع فی مالا منفعة فیه - وعدمه فی ماتلجی الضرورة الیه (فتح الباری، ج ۱، ص ۴۶۵)- یعنی ترجمہ باب میں اشارہ ہے، اس اختلاف کا جو اس باب میں واقع ہوا - امام مالک مطلقاً رفع الصوت کو مکروہ کہتے ہیں، خواہ درس و تدریس علم ہی میں کیوں نہ ہو اور دیگر آئمہ نے اس بارے میں تفریق و تفصیل کی ہے - ان کے نزدیک اگر کسی ایسی بات کے لیے رفع صوت ہو جس میں کوئی دینی یا دنیوی منفعت ہو تو جائز ہے، والا نہیں - اور امام بخاری اس باب میں حدیث عمرؓ منع کے لیے لائے ہیں اور حدیث کعبؓ جواز کے لیے لائے ہیں - اور اس طرح واضح کر دیا (۸) ہے کہ منع اس حالت میں ہے جب کہ بیکار اور لغو باتیں پکار کر کی جائیں، لیکن اگر کسی ضرورت کی بنا پر ہو تو جائز ہے -

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد سے مشورہ و مجالس مسجد میں جائز نہیں تو قطع نظر حقیقت اطلاق الفاظ دین و دنیا، وہ اس جملے پر غور کریں : "مایتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی" اور حدیث کعبؓ پر کہ دراصل رفع

صوت لین دین کے معاملے کے لیے تھا، جو یقیناً صحیح معنوں میں دنیوی معاملہ ہے۔

باقی رہی حدیث عمرؓ تو گو حافظ موصوف کی عبارت نے اس کا مورد و مقصود (۹) واضح کر دیا، لیکن ایک نہایت اہم پہلو باقی رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے طائف کے آدمیوں سے فرمایا: "ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول الله؟"

یہ نہیں کہا کہ "فی المسجد" یعنی خاص طور پر مسجد رسول اللہ صلعم کا لفظ فرمایا، صرف مسجد نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی زجر و تنبیہ اس بنا پر نہ تھی کہ مسجد میں تم نے آواز کیوں بلند کی، بلکہ اس لیے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بے ادبانہ چیختے ہوئے تمھیں شرم نہ آئی۔ بنیاد اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نہایت سختی کے ساتھ اس بات (۱۰) سے روکا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے حضور بے ادبانہ آواز بلند کریں (۱۱)۔

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا له بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون (۱۲)۔

کیوں کہ قطع نظر تہذیب کلام کے یہ عادت اس ادب (۱۳) و احترام کے بھی خلاف تھی جو بحکم توقروہ و تعزروہ، ضروری تھا اور جس کے بغیر اطیعوا الله و اطیعوا الرسول کا معاملہ محکم نہیں ہو سکتا تھا (۱۴)۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آپؐ کے سامنے آتے تو ادب و سکوت (۱۵) کی تصویر ہوتے، آنکھیں زمین میں گڑی رہتیں اور لب کھلتے تو آواز مشکل

سے نکلتی - علی الخصوص حضرت عمرؓ کا تو اس بارے میں کچھ عجب حال تھا - چوں کہ اس آیہ کریمہ کا نزول جس واقعے پر ہوا تھا، اس کا تعلق خود انھی سے تھا اور خلقاً ان کی آواز تھی بھی بلند، اس لیے نزول آیت کے بعد ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب کبھی آپؐ کے حضور کوئی بات کہتے تو اس قدر آہستہ کہتے جیسے کوئی راز کی بات کہی جا رہی ہو (۱۶)! "اذا حدث النبی بحدیث حدثه کافی السرار لم یسمعه حتی یستفهمه (رواه البخاری فی کتاب التفسیر والاعتصام بالسنة عن ابن ابی ملیکة) - جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو آپ کا پیکر جسمی دنیا کی آنکھوں سے چھپ گیا، لیکن انبیاے کرام کی حیات معنوی موت کے دسترس سے باہر ہے - "یصلون فی قبورهم" اور صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کنتم - (ابو داؤد عن ابی ہریرہ)

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

پس " ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض " کا حکم بدستور باقی رہا، اسی لیے صحابہ کرام کا آپؐ کی وفات کے بعد بھی یہ حال تھا (۱۷) - کہ مسجد نبویؐ میں قبر مطہر کے حضور کبھی بلند آواز سے بات چیت نہ کرتے (۱۸) - حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کی نسبت منقول ہے کہ مسجد نبویؐ میں لوگوں کو پکار پکار کر بات کرتے دیکھتے تو خشمگیں ہوتے - (۱۹) فرماتے تمھیں شرم نہیں آتی کہ قبر مطہر کے سامنے شور و غل مچا رہے ہو - حالاں کہ اللہ کہتا ہے: لا ترفعوا اصواتکم ...... (الخ) - یعنی اس آیہ کریمہ سے وفات کے بعد بھی استدلال کرتے (۲۰) -

اسی طرح حضرت امام مالکؒ کا واقعہ معلوم ہے کہ ایک شخص کو پکار پکار کر بات کرتے ہوئے دیکھا تو یہی آیہ کریمہ پڑھی اور (۲۱) غضب ناک ہوئے۔ (حکاہ ابن الجوزی) پس حضرت عمرؓ کا خشمگیں ہونا اور طائف کے دو آدمیوں کو زجر فرمانا بھی اسی قبیل سے تھا اور اسی لیے آپ نے فرمایا: "فی مسجد رسول اللہ؟" یعنی رسولؐ (۲۲) اللہ کی مسجد میں، صرف لفظ مسجد نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نہی (۲۳) خاص مسجد نبویؐ سے تعلق رکھتی ہے اور (۲۴) علت اس کی دوسری اور غیر مشترک ہے (۲۵)۔

اور تائید اس کی اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ۱۷۔ ہجری میں مسجد نبویؐ کی از سرنو تعمیر و توسیع کی تو (۲۶) ایک گوشے میں ایک چبوترہ بنا دیا (۲۷) اور لوگوں سے کہا جس کسی کو بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو (۲۸) اس کے لیے یہ جگہ ہے۔ سمہودی نے "وفاء الوفا" (۲۹) میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ مسجد میں رفع صوت اور مذاکرہ و مجالست کے مخالف نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لیے خاص طور پر اہتمام کیوں کرتے۔ البتہ وہ یہ بات پسند نہیں کرتے تھے کہ مسجد نبویؐ میں بلا ضرورت چلا کر بات کی جائے اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم و احترام (۳۰) سے بے پروائی و غفلت کی بنیاد پڑے (۳۱)۔

یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ حضرت امام مالکؒ کا مذہب اس بارے میں کیا ہے؟ تو یہ جو حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ مطلقاً منع ہے (۳۲) حتیٰ کہ درس و تدریس علم کے لیے بھی۔ تو دراصل یہ صرف مسجد نبویؐ ہی

(۳۳) کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان (۳۴) کا یہ مذہب نہیں ہے کہ عام (۳۵) مساجد میں درس و تدریس علم کے لیے رفع صورت منع ہے (۳۶)۔ بلاشبہ ان سے منقول ہے کہ "انا اکرہ ذلک ولا اری فیہ خیرا" یعنی میں مکروہ رکھتا ہوں کہ مسجد میں درس و تدریس علم ہو، لیکن اس کا تعلق صرف مسجد نبوی سے ہے (۳۷) اور جس سوال کے جواب میں انھوں نے کہا وہ بھی مسجد نبویؐ ہی کے متعلق تھا (۳۸)۔ اور اسی بنا پر مورخین نے ان کے اس طریق کو کمال ادب و تعظیم رسولؐ کے سلسلے میں بیان کیا ہے، نہ کہ بہ عنوان فقہ و احکام (۳۹)۔

حضرت امام مالک مسجد میں درس و تدریس علم کے خلاف کیوں کر ہو سکتے تھے، جب کہ اس کثرت سے اجماعی شواہد اس کا استحسان ثابت کر رہے ہیں کہ شاید ہی صدر اول کے کسی عمل کے لیے موجود ہوں۔ آں حضرتؐ کے زمانے میں تو درس و تدریس علم کی کوئی جگہ بجز مسجد نبویؐ کے تھی ہی نہیں، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے (۳۹)۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں حکم دیا تھا (۴۰) کہ تمام بلاد مفتوحہ میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور ان میں درس و تعلیم کا بھی نظام قائم کیا جائے (۴۱)۔ پھر ان مدارس کے لیے فقہا و قرا صحابہ مدینہ منورہ سے (۴۲) بھیجے گئے۔ شام کی مساجد (۴۳) کے لیے حضرت ابوالدردا، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل وغیرہم بھیجے گئے تھے۔ حافظ ذہبی نے ابوالدردا کے حال میں لکھا ہے کہ جامع دمشق میں تعلیم دیتے تھے۔ طریقہ یہ تھا نماز صبح کے بعد لوگ جمع ہو جاتے

(۴۴) دس دس آدمیوں کے حلقے کی تعلیم کے لیے ایک قاری مقرر ہوتا، خود ٹہلتے رہتے اور ہر حلقے کی آواز پر کان لگائے رہتے۔ جب ضرورت ہوتی ٹوکتے۔ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو سولہ سو طالب العلم مسجد میں حاضر تھے۔ یہی حافظ ذہبی حضرت معاذ بن جبل کے ترجمے میں ابو مسلم خولانی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حمص کی مسجد میں گیا تو دیکھا تیس صحابی جمع ہیں اور مسائل و علوم پر مذاکرہ ہو رہا ہے۔ غرض کہ مساجد کا درس گاہِ علم (۴۵) ہونا ایک ایسی تاریخی و عملی حقیقیت ہے کہ حاجت دلیل و بیان نہیں۔

مورخین نے بالاتفاق تصریح کی ہے کہ عہد عباسیہ کے درمیانی عہد تک صرف مساجد ہی اسلامی درس گاہیں تھیں۔ ملک شاہ سلجوقی کے عہد (میں) یا اس سے کچھ پہلے الگ مدرسے بننے شروع ہوئے اور پھر نظام الملک سلجوقی نے سب سے بڑا مدرسہ بغداد میں تعمیر کیا۔ مساجد کے ساتھ درس و تدریس کا معاملہ کچھ اس طرح منسلک ہو گیا تھا کہ مدرسوں کی تعمیر سے مسجدوں کے سلسلہ تعلیم پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ چناں چہ آج بھی اسلام کے گذشتہ دور تعلیم کے جو آثار باقی ہیں وہ مساجد ہی کی شکل میں ہیں۔ مدرسہ نظامیہ اور مستنصریہ کا نام و نشان بھی مٹ گیا، لیکن جامع ازہر، جامع زیتونی اور جامع ابن خلدون آج بھی موجود ہیں (۴۶)۔

اصل یہ ہے کہ بہت سی غلطیاں اس سے پیدا ہو گئی ہیں کہ خاص مقامات و حالات کے احکام عام سمجھ لیے گئے ہیں (۴۷)۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خاص جامع کوفہ کی نسبت فرمایا کہ محراب

والے حصے میں نماز مکروہ ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک وہ ٹکڑا مغصوبہ تھا۔ متاخرین (۴۸) نے اس سے عام طور پر کراہیۃ صلوۃ فی المحراب کا مسئلہ پیدا کر لیا۔ قازانی (۴۹) نے بدائع میں اس کی تصریح کی ہے (۵۰)۔ یہاں صلوۃ فی المحراب کے مسئلے سے بحث نہیں، صرف غلط فہمی کی ایک نظیر دکھلانا مقصود ہے۔ البتہ اگر آج کل کے علماے سو کی مجلسوں (۵۱) کی نسبت سوال کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ وہ نہ صرف رفع الصوت ممنوع میں داخل ہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، نہ صرف مسجد ہی میں بلکہ شاید (۵۲) زمین کے ہر حصے اور عمارت کی ہر چھت کے نیچے جائز نہ ہوں (۵۳)۔

عین منبر مسجد پر بیٹھ کر باہم دگر سب و شتم، تکفیر و تفسیق اور تلعن و تنابز بالالقاب کیا جاتا ہے۔ جھوٹے قصے اور (۵۴) موضوع روایتیں سنائی جاتی ہیں، ٹھیک ٹھیک مطربوں اور گویوں کی طرح کنکریاں لے کر گایا جاتا ہے۔ محض مراء و جدل اور تنازع فی الدین کی نیت سے مناظروں اور مباحثوں کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں اور (۵۵) امامت و منبر نشینی کا ایک مدعی دوسرے کی گردن پر درندوں کی طرح (۵۶) خونخوارانہ ہاتھ بڑھاتا ہے۔ یہ ساری باتیں تو مسلمانوں کے لیے جائز ہیں، بلکہ عین مقاصد مسجد میں داخل، لیکن اگر مقاصد صالحہ و حسنہ سے (۵۷) کوئی مجمع منعقد ہو اور اس میں نفع بلاد اور فلاح امت (۵۸) کے لیے تقریریں کی جائیں تو پھر (۵۹) بخاری کی روایت منع رفع صورت والی فوراً یاد آجاتی ہے۔

یکرہ ان یشرب من فضة
ویسرق الفضة ان نالھا

تمام اہل علم و سلف نے اتفاق کیا کہ جدل اور نزاع فی الدین (۶۰) ممنوع ہے۔ امتوں کی گمراہی اور شریعتوں کی [تحریف کے متعلق] آں حضرت صلعم نے فرمایا: ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا و اوتوا الجدل یعنی (۶۱) کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہی میں نہیں پڑی۔ مگر جدل سے۔ پھر یہ آیت پڑھی: ماضربوہ لک الا جدلا. بل ھم قوم خصمون (۶۲) (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ عن ابن امامہ) لیکن بدقسمتی سے جدل و تنازع فی الدین کا دروازہ اس امت پر بھی کھلا اور اگر آج علوم و مدونات مقبولہ امت دیکھے جائیں تو کوئی گوشہ بھی اس فتنے سے خالی نہیں ملے گا۔ لیکن جدل و تنازع دین کا بدترین مقام وہ ہے جو آج کل مناظرہ و مباحثہ مذہبی کے نام سے کیا جاتا ہے (۶۳) اور اس کی مجلسیں عموماً مسجد ہی میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ پھر ان مجلسوں میں جو کچھ ہوتا ہے (۶۴) معلوم ہے۔ زبان کی کوئی معصیت اور حلق و صدا سے وقوع میں آنے والا کوئی فسق ایسا نہیں ہے جو ان بھیڑوں میں بمصداق وتاتون فی نادیکم المنکر (۶۵) علانیہ نہ ہوتا ہو اور مجرد رفع صوت کا تو کیا پوچھنا!

تو گوئی خروسان شاطر بجنگ

(۶۶) کوئی اس وقت جا کر اللہ کی عبادت گاہ (۶۷) دیکھے تو بھٹیارخانوں اور خرابات کے ہنگامے اس کے شور و غل کے آگے مات ہوں گے (۶۸)۔ پھر

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جدل لسانی کا خاتمہ عموماً جدل بالید و الحراب پر ہوتا ہے اور بسا اوقات نوبت مقدموں اور فوجداریوں تک پہنچ جاتی ہے (۶۹)- یہ ساری باتیں آج کل کے مسلمانوں کے مذہب میں جائز ہیں - (۷۰) نہ تو ان کا رفع صوت ممنوع ہے، نہ گالی گلوچ اور زد و خورد، لیکن مسجد میں اصلاح ملت و بلاد اور حفظ حقوق ملک و قوم کے لیے جمع ہونا جائز نہیں، کیوں کہ مسجد میں پکار کر بات نہیں (۷۱) کرنی چاہیے اور اس لیے کہ (۷۲) حضرت عمرؓ نے اس سے روک دیا تھا - انا للہ و انا الیہ راجعون (۷۳)- کیا اس سے بھی بڑھ کر فیبقی ناس جھال یستفتون فیفتون برایھم فیضلون و یضلون (رواہ البخاری عن ابن عمر) کا مصداق کوئی عہد جہل و فساد (۷۴) ہو سکتا ہے، جس کا مسلمانوں کو ابھی انتظار ہے؟ فقد جاء اشراطھا فانی لھم اذا جاءتھم ذکرھم؟(۷۵)

حواشی:

(۱) تبدیلی: اور - (۲) تبدیلی: آفرین - (۳) حذف: تم کو - (۴) پہلے یہ جملہ اس طرح تھا: "اور تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا - " (۵) حذف: کہ - (۶) حذف: ترجمہ اوپر گزر چکا ہے - اضافہ: یعنی اگر تم شہر کے رہنے والوں میں سے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیے بغیر نہ رہتا - تم رسول اللہ (صلعم) کی مسجد میں پکار کر باتیں کرتے ہو - (۷) تبدیلی: پس - (۸) جملے میں چند الفاظ کا تغیر و تبدیل اور ترمیم و اصلاح ہوئی ہے - پہلے عبارت اس طرح تھی: "امام بخاری اس باب میں حدیث عمرؓ لائے ہیں - منع کے لیے اور حدیث کعبؓ لائے ہیں، جواز کے لیے اور اس طرح واضح کیا ہے - " (۹) اضافہ: و مقصود - (۱۰) اضافہ: بات - (۱۱) پہلے ایڈیشن میں حرف نفی کا استعمال غلط ہوا تھا - اس سے مفہوم بدل گیا تھا - اس کے

علاوہ "حضور" کے ساتھ "میں" حرف جار کا استعمال بھی درست نہ تھا۔ پہلے عبارت اس طرح تھی "اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نہایت سختی کے ساتھ اس سے روکا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے حضور میں بے ادبانہ آواز بلند نہ کریں۔" (۱۲) سورہ۔ حجرات، آیت ۲۔ (۱۳) پہلے ایڈیشن میں عبارت یہ تھی "یہ عادت اس ادب عظیم اور توقیر و تعزیز رسول کے خلاف تھی جو بحکم توقروہ و تعزروہ امت بلکہ جمیع نوع انسانی پر فرض ہے۔" (۱۴) اضافہ تھا۔ (۱۵) ادب و سکوت کی جگہ پہلے یہ جملہ تھا "مجسم تادب و تعظیم اور سکوت و خشوع" (۱۶) پہلے ایڈیشن میں اس جگہ یہ جملہ تھا "ان کے خفض و نرمی صوت بہ حضرت رسول اللہ صلعم کا یہ حال ہو گیا کہ" ۔(۱۷) تبدیلی "رہا"۔(۱۸) حذف "اور تمام احکام ادب و حقوق رسول کو پورا پورا ملحوظ رکھتے۔" (۱۹) حذف "اور"۔(۲۰) پہلے ایڈیشن میں اس جگہ یہ عبارت تھی "منع رفع صوت بہ حضور رسول پر، بعد وفات رسول بھی استدلال کیا گیا۔" (۲۱) حذف "اس پر سخت"۔(۲۲) پہلے یہ جملہ اس طرح تھا "یعنی رسول کی طرف نسبت دے کر روکا۔" (۲۳) حذف "عمر"۔(۲۴) اضافہ "اور"۔(۲۵) اس مقام سے یہ عبارت حذف ہو گئی "اگرچہ دیگر ادلہ سے یہ بات ثابت ہے کہ عام مساجد میں بھی بلا کسی ضرورت دینی و دنیوی مصالح کے لغو و بیکار شور مچانا یا مسجد کو اپنی دنیا داری کی صحبتوں کی جگہ ٹھہرا لینا قطعاً ممنوع ہے، بلکہ ایسے لوگوں کا اخراج مسجد سے واجب ہے" (۲۶) حذف "مسجد کے"۔(۲۷) تبدیلی "بنایا"۔(۲۸) تبدیلی "واشعار وغیرہ کے لیے صحبت مقصود ہو تو"۔(۲۹) تبدیلی "خلاصۃ الوفا"۔(۳۰) اس مقام پر عبارت میں کئی حذف و اضافہ ہوئے۔ پہلے یہ عبارت تھی "بلکہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مسجد رسول میں بہ حضور قبر رسول چلا کر بلاضرورت بات کی جائے اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم واحترام مطلوب شارع سے......" (۳۱) اس مقام پر یہ عبارت حذف ہو گئی "اس لیے ایک گوشے میں چبوترہ بنا دیا کہ لوگوں کی نماز میں بھی خلل نہیں پڑے گا اور بوجہ بعد وہ صورت بھی باقی نہ رہے گی جو حضور و قرب قبر مبارک میں رفع

صوت سے پیدا ہو جاتی ہے اور ۔" (۳۲) اضافہ: ہے ۔ (۳۳) اضافہ: ہی ۔ (۳۴) تبدیلی. امام مالک ۔ (۳۵) پہلے جملہ اس طرح تھا: عام طور پر تمام مساجد میں درس و تدریس علم کے لیے بھی رفع صوت نہ ہو ۔ (۳۶) تبدیلی: یہ متعلق ہے صرف مسجد نبوی سے ۔ (۳۷) حذف: اور اسی لیے وہ ہمیشہ اپنے مکان پر درس حدیث و فقہ دیتے رہے ۔ (۳۸) اس مقام سے یہ عبارت حذف کر دی گئی: ورنہ ظاہر ہے کہ عام طور پر مساجد میں درس و تدریس علم و رفع الصوت اذا کان للنصح و التذکیر کو وہ کیوں کر مکروہ قرار دے سکتے ہیں، جب کہ اس کثرت سے اجماعی شواہد نصاً و عملاً اس کے خلاف موجود ہیں؟ آں حضرت صلعم اور خلفاے راشدین نے غنائم تک مسجد میں تقسیم کیے جو مستلزم رفع صوت و قال و قیل ہے اور درس و تدریس علم کی تو کوئی جگہ بجز مسجد نبویؐ کے آں حضرت صلعم کے زمانے میں تھی ہی نہیں ۔ (۳۹) یہاں اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے: حضرت امام مالک .... تا .... گزر چکا ہے ۔ (۴۰) اضافہ: تھا ۔ (۴۱) ترمیم اضافہ سے پہلے جملہ اس طرح تھا: ساتھ ہی ان میں تعلیم و تدریس قرآن و سنت کا بھی انتظام ہو ۔ (۴۲) اضافہ: مدینہ منورہ سے ۔ (۴۳) تبدیلی: کے مدارس ۔ (۴۴) پہلے یہ جملہ اس طرح تھا: مسجد میں نماز صبح کے بعد لوگ جمع ہوتے ۔ (۴۵) تبدیلی: مدارس و بیوت ۔ (۴۶) اس مقام پر ایک طویل عبارت کا اضافہ ہوا اور کچھ عبارت حذف ہو گئی جو اس طرح ہے ۔ اضافہ: مورخین نے .... تا .... موجود ہیں ۔ حذف: " پھر حضرت امام مالک کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں رفع صوت ہر حال میں مکروہ ہے ۔ علی الخصوص جب کہ ان کے فقہ و ابواب کا زیادہ تر دارومدار حضرت عمرؓ کے فتاویٰ و فرامین خلافت اور حضرت عبداللہ بن عمر کے علوم پر ہے ۔" (۴۷) اس مقام پر یہ عبارت حذف کر دی گئی: " حکم و فتاویٰ کو عام سمجھ لینے سے بھی متاخرین میں پیدا ہو گئی ہیں ۔" اور یہ عبارت اضافہ ہوئی ہے: اس سے .... تا .... لیے گئے ہیں ۔ (۴۸) حذف: لوگوں ۔ (۴۹) قازانی پر مصنف رسالہ نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا ہے: " صاحب بدائع الصنائع کے لقب کی نسبت لوگوں

لو بہت تشویش ہوئی ہے۔صاحب تراجم حنفیہ نے لکھا ہے کہ اصل میں "کاشانی" ہوگا یعنی (۱) کاشان کی طرف منسوب۔ حالانکہ بات صاف تھی۔صاحب بدائع نسلاً تاتاری ہیں۔وہ (۲) قازان (۳) کے رہنے والے تھے، جو (۴) تاتاری ترکستان کا مشہور شہر ہے۔ دراصل یہ "کاژان" تھا، عربی میں "قازان" بولنے لگے۔منہ "۔اس حاشیے میں بھی مصنف کے قلم سے اصلاح کا عمل ہوا ہے، (۱) اضافہ: یعنی، (۲) تبدیلی: اور، (۳) حذف: تاتار، (۴) تبدیلی: آج کل روسی ممالک میں داخل ہے۔(۵۰) اصل میں یہ عبارت حذف کر دی گئی: "اور مثال میں کہا ہے کہ اسی طرح امام مالکؒ کی بہت سی باتیں جو خاص مدینہ کی نسبت تھیں، عام سمجھ لی گئیں۔" (۵۱) اس مقام پر حذف واضافہ کا یہ عمل ہوا ہے: واعظین کی مجالس قصص و حکایات وجدل فی المسجد ومکابرات۔اضافہ: سو۔کی مجلسوں۔(۵۲) حذف: بڑھ کر یہ کہ۔(۵۳) حذف: ناجائز ہیں۔صرف مسجد ہی پر موقوف نہیں۔(۵۴) حذف: حکایتیں اور مکذوب و۔(۵۵) اضافہ: درندوں کی طرح۔ (۵۶) حذف: غیر اوقات صلوۃ میں۔(۵۷) حذف: درفاہ ملت وجلب مصالح ودفع مفاسد، اضافہ: اور فلاح امت۔(۵۸) اضافہ: پھر۔(۵۹) پہلے جملہ یہ تھا: وتنازع فی الدین نہ صرف ممنوع ہے، بلکہ من جملہ شدید ترین وسائل ضلالت امت وتحریف شریعت وفساد ہدیٰ کے ہے اور۔اس کی جگہ یہ عبارت اضافہ کی گئی ہے: امتوں کی گمراہی اور شریعتوں کی (تحریف کے متعلق)۔ قوسین کا جملہ اندازاً معنوں کی مناسبت سے اضافہ کیا گیا۔ مولانا کا تصحیح شدہ جملہ جو کتاب کے حاشیے پر تھا جلد سازی کے وقت کٹ گیا۔(۶۰) اضافہ: یعنی۔(۶۱) سورہ۔زخرف، آیت ۵۸۔(۶۲) پہلے یہ عبارت اس طرح تھی: تو بدقسمتی سے جدل وتنازع وتعمق فی الدین کا دروازہ اس امت پر بھی کھلا اور اگر آج علوم ومدونات مقبولہ۔امت کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ بھی اس فتنے سے خالی نہیں، یَین ضلالت جدل وتنازع کا عملاً بدترین مقام ونمونہ وہ ہے جو آج کل مناظرہ ومباحثہ مذہبی اور احقاق حق وتحقیق مسائل کے نام سے کیا جاتا ہے۔(۶۳) تبدیلی: ہوا کرتا۔

(۶۴) سورہ، عنکبوت، آیت ۲۹۔ (۶۵) حذف: کے معاملے کے بغیر تو ہمارے علما کا کوئی مناظرہ، مناظرہ ہی نہیں۔ (۶۶) حذف: کو۔ (۶۷) تبدیلی: ہیں۔ (۶۸) تبدیلی: پہنچتی۔ (۶۹) حذف: بلکہ از قبیل اعمال متبرکہ و شرعیہ۔ علمائے اسلام۔ (۷۰) تبدیلی: سرپھٹول (۷۱) تبدیلی: نہ۔ (۷۲) اضافہ: اور اس لیے کہ۔ (۷۳) سورہ، بقرہ، آیت ۱۵۶۔ (۷۴) تبدیلی: اور عصر۔ (۷۵) سورہ، محمد، آیت ۱۸۔

<u>خارج</u> :

جامع الشواہد میں یہ اکیسویں مستقل فصل تھی، لیکن اس ایڈیشن میں مصنف نے اسے حذف کر دیا۔

تحقیق نمازِ جنازہ غائب کا وعدہ

بعض اخبارات نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے:

"لوگوں نے مقتولین حادثہ دہلی کے لیے نمازِ جنازہ غائب پڑھی جو ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔"

سو اس کی تحقیق بھی ضروری ہے، لیکن یہ تحریر بلا قصد بہت طولانی ہو گئی، اس لیے اس مبحث کو علاحدہ کر دیا گیا کہ مستقلاً شائع ہو جائے گا(۱)۔

<u>حاشیہ</u>:

(۱) مصنف علام نے مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے نام ایک خط میں اس بحث کا ذکر کیا ہے کہ رسالے کی طوالت اندازے سے بڑھ جانے کی وجہ سے اسے روک لیا ہے لکھتے ہیں:

"پہلے خیال تھا کہ نمازِ جنازہ غائب والے حصے کو بھیج دوں گا کہ رسالے کے آخر میں درج کر دیا جائے گا۔ لیکن جب ستر تک صفحات پہنچ چکے تو اب مزید اضافہ خوب نہیں، اس کے اختتام کے بعد "معارف" میں نکل جائے گا۔" (تبرکاتِ آزاد، لاہور، صفحہ ۱۵۰)

اب تک اس مضمون کی دستیابی کا علم نہیں ہو سکا، خدا کرے دستیاب ہو جائے۔ یقیناً حسبِ توقع اس موضوع پر مولانا کی یہ ایک نادر علمی تحقیق ہو گی۔

خارج :

جامع الشواہد میں یہ بحث بائیسویں فصل کے طور پر آئی تھی ۔ مصنف نے اس ایڈیشن میں اسے حذف کر دیا ۔

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کا خط

لکھنو کے بعض اخبارات میں اس معاملے پر رائے زنی کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ جناب مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی بھی اس سے متفق ہیں ۔ یعنی عدم جواز دخول ہنود فی المسجد سے ۔ لیکن اس بارے میں ان کا جو خط شائع کیا ہے، اس میں جواز و عدم جواز کا کوئی تذکرہ نہیں، صرف یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو ہر معاملے میں چاہیے کہ احکام شرع کا اتباع کریں اور اجتماعات وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہ کریں جو شریعت کے خلاف ہو، تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ۔ تعجب ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر نے مولانا ممدوح کے اس خط کو عدم جواز کے ثبوت میں کیوں پیش کیا؟ میرے لیے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ مولانا ممدوح ایک ایسے معاملے کو ناجائز بتلا دیں جس کے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہو چکا ہے اور علی الخصوص فقہائے حنفیہ کا مسلک تو اس میں معروف و مسلم ہے ۔ مجھ کو یقین ہے کہ ان شاء اللہ ان کا مسلک بھی یہی ہوگا اور اختلاف طریق وصول الی الحق میں ہو سکتا ہے، مگر حق میں نہیں اور تعدد رجال و افراد میں ہے، حقیقت میں نہیں ہو سکتا ۔ مع ہذا معلوم ہے کہ اصل کار نصوص و بصائر سے ہے اور وہ جب موجود ہیں تو پھر اور کسی بات کی احتیاج نہیں ۔

فصل چہاردہم:

انقلاب حالات و خاتمہ

خاتمہ سخن میں ایک معاملے کی طرف اشارہ ناگزیر ہے، یہ معلوم ہے کہ ہر گروہ کے دائرہ نظر و فکر کے حدود ہیں اور نظم و صحت اعمال کے لیے ضروری ہے کہ ان حدود سے تجاوز نہ کیا جائے (۱)۔ ہر گوشہ علم و عمل میں ساری مصیبتیں اسی تجاوز عن الحد (۲) سے پیش آتی ہیں۔ اخبار نویسی ایک عمدہ اور ضروری کام ہے، لیکن اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہر اخبار نویس قضا و افتا کا کام بھی شروع کر دے۔ یہ کام (۳) ان لوگوں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے جن کا یہ کام ہے اور جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب شریعت و قرآن سے اغماض و اعراض (۴) روشن خیالی (۵) کی دلیل سمجھی جاتی تھی، لیکن اللہ نے اپنے بعض بندوں کو توفیق دی اور انھوں نے اتباع قرآن (۶) کی صدائے دعوت بلند کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حالت پلٹی اور شریعت و قرآن کے ذکر و استشہاد میں ویسی ہی مقبولیت و محبوبیت پیدا ہو گئی، جیسی پہلے اعراض و انکار میں تھی، اب (۷) وہی تحریریں عوام و خواص میں مقبول ہوتی ہیں (۸) جو مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہوں۔ لیکن اب ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے اعراض و غفلت تھی، اب ادعا و تکلم (۹) بغیر علم ہے۔ پہلے کوئی

شریعت کا نام بھی نہیں لیتا تھا. اب ہر شخص چاہتا ہے کہ شریعت کے بغیر بات نہ کرے، اگرچہ شریعت کے علم و عمل سے (۱۰) بے بہرہ ہو۔ پہلے قرآن کا نام لیتے ہوئے بھی لوگوں کو شرم آتی تھی کہ کہیں ہتذیب و تعلیم کی برادری سے خارج نہ کر دیے جائیں، اب ہر شخص جو قلم پکڑ سکتا ہے، چاہتا ہے کہ ہر تحریر میں قرآن کی ایک دو آیتیں کسی نہ کسی طرح ضرور (۱۱) کھپا دے، اگرچہ لفظاً تصحیف، معناً تحریف اور استشہاداً غیر مربوط ہی کیوں نہ ہو !(۱۲) یہ فتنہ پہلے فتنے سے بھی اشد واضر ہے۔ (۱۳) پہلا فتنہ عمل تھا، جس کا نتیجہ فسق ہے اور یہ فتنہ علم و احکام ہے، جس کا نتیجہ تحریف شریعت اور منهم امیون لا یعلمون الکتب الا امانی (۱۴) کا حاکم و آمر شریعت (۱۵) بن جانا ہے۔ آج مسلمانوں کا کوئی اخبار، کوئی مجلس، کوئی کام ایسا نہیں جو اس فتنے کا تماشا گاہ نہ ہو (۱۶)۔

یہ حالت دیکھ کر بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ اس دینی انارکی اور مذہبی طوائف الملوکی سے تو وہی پچھلی حالت بہتر تھی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اور علماے عصر کو توفیق دے کہ وہ اس حالت کے مہلک نتائج محسوس کریں اور کوئی نہ کوئی ایسی راہ اختیار کریں، جس سے نظم و قوام امت کا باب مسدود کھل سکے۔ بغیر اس کے کوئی سعی بھی اصلاح حال کے لیے سودمند نہ ہو گی۔ واللہ المستعان و علیہ۔

هذا آخر ما تيسر لي من تسويد هذه العجالة مع توزع الخاطر وتشتت البال من تراكم الهموم و كثرة البلبال و كان الفراغ من تسويد

ھاضحیٰ نھار السبت لست بقیت من رجب المرجب ۱۳۳۷ء (۱۸) حین کنت منفیامن البلد و محبو سافی بلدة رانشی (۱۹) و انا الفقیر الی اللہ احمد المدعو بابی الکلام (۲۰) کان اللہ لہ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حواشی:

(۱) حذف و تبدیلی؛ اس مقام پر پہلے یہ عبارت تھی: ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ اب اس جگہ یہ عبارت ہے: اور نظم ...... تا ...... جائے۔ (۲) تبدیلی: اعتدا و تجاوز عن الحدود۔ (۳) تبدیلی: اس کام کو صرف۔ (۴) حذف: و اعراض۔ (۵) حذف: اور سیاست دانی۔ (۶) تبدیلی: تقدیم و اتباع شریعت فی جمیع الاحوال والاعمال۔ (۷) تبدیلی: اور۔ (۸) تبدیلی: ہونے لگیں۔ (۹) حذف: و تحکم۔ (۱۰) حذف: بالکل۔ (۱۱) حذف ہی۔ (۱۲) حذف: اور۔ (۱۳) حذف: تلک فتنہ الدنیا و ھذہ فتنۃ الدین۔ (۱۴) قرآن حکیم، سورہ بقرہ، آیت ۸۷۔ (۱۵) حذف: وملت۔ (۱۶) اس مقام سے یہ طویل عبارت حذف کر دی گئی: "علی الخصوص اخبارات کا تو یہ حال ہے کہ ان کا ہر نمبر کوئی نہ کوئی نئی مثال ضرور اپنے ساتھ لاتا ہے۔ کوئی صاحب ایک لمباچوڑا مضمون شائع کرتے ہیں کہ احیائے ملت بہ ذریعہ احیائے شریعت کرنی چاہیے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ علمائے اسلام فرائض و واجباتِ شریعت میں چند نئی دفعات کا اضافہ کر دیں اور آپس میں پنچت کر کے فتویٰ دے دیں کہ نماز روزہ کی طرح ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوہ و اہل حدیث کانفرنس کی شرکت بھی شرعاً فرض ہے اور زکوٰۃ کی طرح انجمنوں کی فیس ممبری بھی ہر مسلمان کو دینی چاہیے۔ کوئی صاحب دنیا بھر کی بدعتوں اور بدعی محافل کا سروسامان کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیاسی مقاصد و مصالح سے ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ وقت بدعت و سنت کے جھگڑے کا نہیں ہے۔ ان کی تحقیق میں مسلمانوں کی پولیٹکل

ترقی بغیر بدعات و فسوق کے اہتمام کے ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک صاحب تمام اخباروں میں اعلانات شائع کرتے ہیں کہ اسلام کی قرار دی ہوئی دو عیدیں اور مسلمانوں کی گڑھی ہوئی صدہا اعیاد و مواسم بھی قوم کی ترقی کے لیے کافی نہیں، اس لیے ایک نئی عید کا اہتمام شروع کر دینا چاہیے۔

دوسرے صاحب فتوی دیتے ہیں کہ مساجد میں "مخلوط" مجالس جائز نہیں اور ہندوؤں کو مسجد کے مجمعوں میں بلانا تو اشد و اکبر معصیت ہے۔ وغیر ذلک من اعجاب کل ذی رای بر ایه والاعتصام بالبدعة والاحداث فی الدین۔ تو اس دینی انارکی اور مذہبی طوائف الملوکی سے تو شاید وہی پہلی حالت غنیمت تھی۔ شاید تبدیل حال وقیام امر کے لیے یہ درمیان کی بدنظمی اور بدحالی ضروری ہو اور ممکن ہے کہ اس شورش کے بعد اصلی سکون وامن نمودار ہو۔

بہرحال حالات کی طرف سے تو بجز افزائش درد و اندوہ کے اور کوئی صدا نہیں اٹھتی۔ الا یہ کہ ہر حال میں اعتماد اللہ کے فضل و کرم اور بالآخر وعدہ۔ نصرت و یاوری شریعت و حفظ و صیانت ملت مرحومہ پر ہے۔ واللہ ناصر دینه و رافع اعلام سنة رسوله وحسبنا الله ونعم الوکیل۔

(۱۷) یہ عبارت اس مقام پر مصنف نے اضافہ فرمائی ہے: یہ حالت ...... تا ...... وعلیہ
(۱۸) ۲۴۔ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۵۔ اپریل ۱۹۱۹ء۔ (۱۹) تبدیلی: رانچی۔ (۲۰) اضافہ: المدعو بابی الکلام۔

ضمیمہ ۱:

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سنہ ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

سنہ ۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲ (مینیجر الہلال کلکتہ)

ضمیمہ ۲:

خطوط واقتباسات

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

(ان خطوط پر حواشی مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے قلم سے ہیں۔ابو سلمان)

رانچی (بہار)، ۱۲۔ [illegible]ی ۱۹۱۹ء

صدیقی العزیز! السلام علیکم

آج بعض مسائل کی نسبت سخت گمراہی پھیل رہی ہے اور اگر اس کا سد باب نہ ہوا تو ایک نہایت مفید دروازہ کھل کر بند ہو جائے گا۔اس کے متعلق میں نے ایک مختصر تحریر اخبارات میں شائع کرانی چاہی تھی، لیکن لکھنا شروع کیا تو بہت بڑھ گئی اور اب اخبارات کے لیے حد تحمل واندراج سے باہر ہو گئی ہے۔ مجبوراً آپ کو بھیجتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ حتی الوسع جلد اور بہ عنوان مناسب اس کی اشاعت کا انتظام ہو جائے گا۔

صورتیں اس کی دو ہیں؛

ایک یہ کہ "معارف" میں نکل جائے، اگر آپ پسند کریں، لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ اس ماہ کا نمبر عنقریب شائع ہونے والا ہو گا۔اس میں گنجایش نہ ہو گی اور آیندہ ماہ پر رکھا جائے تو بہت زیادہ تاخیر ہو جائے گی اور مقصود بہ وجوہ و مصالح تعجیل ہے، بلکہ جتنی دیر باوجود تکمیل تحریر بھیجنے میں بہ وجہ قیود لاحقہ ہو گئی، اس کو بھی نہ ہونا تھا۔

پس اگر اس ماہ کے نمبر میں اس کا اندراج ممکن ہو، اقلاً نصف اول تو اس کی کوشش کیجیے۔ نصف ثانی آیندہ نمبر میں نکل جائے گا۔

اگر اس کا موقع باقی نہیں رہا ہے تو پھر ایک صورت اور ہے، یعنی اس تحریر کو نسبتہً خفی قلم اور زیادتی سطور و مسطر کے ساتھ لکھوا چھپوا کر بہ صورتِ ضمیمہ زاید کے اسی نمبر کے ساتھ نکال دیا جائے اور چند دنوں کے لیے اس نمبر کی اشاعت ملتوی رہے۔

اس صورت میں میرا دوسرا مقصد بھی حل ہو جائے گا۔ یعنی مستقلاً بہ شکل رسالہ بھی اس کی کچھ کاپیاں چاہتا ہوں۔ پس وہی ضمیمہ تین سو الگ بھی معمولی کاغذ پر چھپوا لیا جائے۔ علاحدہ ٹائیٹل اس پر لگا دیا جائے گا۔

اس صورت میں "معارف" کے زاید اوراق اور علاحدہ رسالے کے لیے، غرض یہ کہ جس قدر یہ ٹکڑا چھپے، اس کی اجرت و خرچ میرے ذمے ہے، کیوں کہ "معارف" پر اس کی معین ضخامت سے زیادہ بوجھ نہیں پڑنا چاہیے اور ہر حال مجھ کو چھپوانا ہی ہے۔ رقم مطلوب سے آپ مجھے مطلع کریں تا کہ بھیج دی جائے۔ اگر ایسا ہوا تو موجبِ کمال تشکر ہو گا۔

لیکن اگر یہ دونوں صورتیں ممکن العمل نہ ہوں تو پھر ازراہِ عنایت جہاں تک جلد ممکن ہو، اس کو بہ صورتِ رسالہ چھپوا دینے کا انتظام فرما دیجیے۔ پانچ سو نسخے کافی ہوں گے۔ مطبع "معارف" میں چھپے اور اگر کسی وجہ سے دقت ہو تو لکھنو یا کان پور میں چھپوا دیجیے۔ اعظم گڑھ میں چھپتا تو تصحیح کی طرف آپ کی موجودگی اطمینان دلاتی، کیوں کہ جو مسودہ بھیج رہا ہوں اس میں کاٹ چھانٹ جا بجا ہے۔ اس صورت میں بھی فوراً اجرت طباعت سے مطلع کیجیے تا کہ روپیہ بھیج دیا جائے۔

مقصود اصلی اشاعت اور جلد اشاعت ہے۔ اگر الگ چھپے تو تقطیع "معارف" سے چھوٹی رکھی جائے، یعنی "مخزن" کی تقطیع۔ کاغذ معمولی ہونا چاہیے اور خط زیادہ جلی نہ ہو۔

ایک اور ضروری بات ہے، ابتدا میں چوں کہ خیال نہ تھا کہ تحریر بڑھ جائے گی اس لیے بلا فصل و عنوانات محض نمبروں کی ترتیب سے لکھنا شروع کیا گیا، لیکن اب دیکھتا ہوں تو تحریر بہت بڑھ گئی اور بیچ میں کہیں موڑ نہیں، پڑھنے والے اکتا جائیں گے پس اب عنوانات کا قایم کرنا تو خالی از اشکال نہیں، البتہ جب کاتب لکھنا شروع کرے تو اتنی ہدایت کر دی جائے کہ تحریر میں جہاں جہاں سے نیا نمبر شروع ہوتا ہے، وہاں بین السطور وسط میں صرف لفظ "فصل" جلی قلم سے لکھ دیا جائے اور نمبروں کو نکال دیا جائے (۱) - مسودے ہی میں ایسا بنا دیا جائے - اس طرح کل بائیس جگہ لفظ فصل آئے گا - کیوں کہ کل بائیس نمبر ہیں -

امید ہے کہ اس بارے میں پوری توجہ کام میں لائیں گے (۲) -

ابو الکلام

رانچی (بہار)، مئی ۱۹۱۹ء

صدیقی العزیز! السلام علیکم

قلبی یحدثنی بانک ستلقی ----- ایک ہفتے سے زاید زمانہ گزرا کہ ایک رسالہ رجسٹرڈ بھیجا گیا (۳) - اب تک جواب و رسید سے محروم ہوں، حیرانی ہے کہ کیا معاملہ ہے؟ شاید آپ اعظم گڑھ میں نہ ہوں، رمضان المبارک کی وجہ سے وطن آ گئے ہوں - لیکن اتنی مدت گزر چکی ہے کہ خط اعظم گڑھ سے آپ تک پہنچ سکتا تھا اور وہاں سے جواب آسکتا تھا - بہرحال حقیقت حال سے جلد مطلع کریں - اگر کسی وجہ سے رسالہ مذکور کی اشاعت کا سامان نہ ہو سکے تو بلا تاخیر بیرنگ داروغہ الطاف حسین صاحب سیکریٹری انجمن مدرسہ اسلامیہ، اپر بازار، رانچی کے نام بھیج دیں - بہ وجوہ جلد از جلد اس کی اشاعت مقصود تھی، مگر مشیت الٰہی کہ یکے بعد دیگرے تاخیر ہوتی گئی - پہلے یہاں حصول اجازت وغیرہ ہیں، پھر آپ کی طرف سے بھی جواب نہیں ملتا - بہ

ہر حال طالبِ جواب ہوں اور خاموشی سخت موجبِ اضطراب۔

....

رسالے وغیرہ کے متعلق جو کچھ لکھنا ہو داروغہ الطاف حسین صاحب کو لکھیے، مولوی سلطان رخصت پر بھوپال چلے گئے اور وہ معاملہ داروغہ صاحب ہی سے اب متعلق ہے۔

فقیر ابو الکلام کان اللہ لہ

صدیقی العزیز!

مضمون جلدی میں لکھ کر بھیج دیا، مگر ایک بات کھٹکتی تھی۔ایک جگہ لکھا ہے کہ نپولین کے قیام مصر کے زمانے میں یہی مسئلہ چھڑا اور شیخ اسماعیل زرقانی نے فتویٰ دیا۔اس وقت "تحفۃ الناظرین" پاس نہ تھی، کلکتہ کی کتابوں میں تھی۔مسٹر فضل دین نے اب ڈھونڈ کر بھیج دی تو معلوم ہوا کہ حافظے نے ایک سخت غلطی کی ہے۔یعنی فتویٰ شیخ جبرتی صاحب تاریخ نے دیا تھا اور اس فتویٰ کی بنا زرقانی کا ایک فتویٰ تھا۔ پس بہ راہِ عنایت مضمون میں تصحیح کر دیجیے۔اسماعیل زرقانی شارح موطا و مواہب کی جگہ "شیخ عبدالرحمن جبرتی صاحبِ تاریخ عجائب الآثار" بنا دیجیے۔نپولین کے داخلہ مصر سے کئی سال پہلے زرقانی کا انتقال ہو چکا تھا (۴)۔کہیں لوگ پڑھ کر ابن مبارک والی بات نہ کہہ بیٹھیں: ان بینھما مفاوز تنقطع فیھا اعناق المطی۔

ابو الکلام

رانچی (بہار)، ۲۶۔رمضان ۱۳۳۷ھ (۲۵۔جون ۱۹۱۹ء)

صدیقی العزیز! السلام علیکم

یہ تو اپنے کامل معنوں میں کشف ہے۔خود مجھے خیال ہوا تھا کہ تین سو کی تعداد

کافی نہیں، زیادہ ہو، لیکن اس لیے نہیں لکھا کہ شاید کتابت رسالہ معارف و رسالہ کی ایک ہی رکھی گئی ہو اور مئی نمبر کا حصہ بہ شکل رسالہ بھی چھپ چکا ہو۔ بہ ہر حال یہ خوب کیا کہ تعداد پانچ سو کر دی۔ علاوہ عبارت ہدایہ کے معمولی غلطیاں کتابت کی بھی تھیں۔ امید ہے کہ درست ہو گئی ہوں گی۔

ٹائیٹل کے متعلق استصواب کی کیا ضرورت تھی؟ آپ نے خود کچھ لکھ دیا ہوتا۔ بہ ہر حال اختصار کے خیال سے میں نے صرف ادلہ شرعیہ بنا دیا۔ سیکریٹری انجمن کے اہتمام کی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن وقت یہ ہے کہ آپ وطن جا رہے ہیں۔ اگر یہ خط آپ کی عدم موجودگی میں پہنچا تو کیا اعظم گڑھ میں کوئی صاحب کھول کر ٹائیٹل لکھنے کے لیے دے دیں گے؟ غالباً یہ آپ کو دیسنہ میں ملے گا۔

امید ہے کہ علاوہ رسالے کے "معارف" میں تصحیح کر دی گئی ہو گی۔

....

ابو الکلام

صدیقی الاعز! السلام علیکم

آپ کا خیال درست ہے، آج بھوپال سے مولوی سلطان نے آپ کا خط بھیجا اور آپ کا کارڈ بھی ملا۔ تعجیل اشاعت کے لیے ممنون ہوں، علی الخصوص ایسی حالت میں کہ "معارف" کی اشاعت کی تاخیر تک گوارا کر لی گئی۔ امید ہے کہ نمبروں کی جگہ فصل بنا دیا گیا ہو گا۔ واقعی بہ شکل رسالہ کوئی دوسرا نام ہونا چاہیے۔ آپ ہی کوئی تجویز کر کے رکھ دیں۔ آپ نے جو نام لکھا ہے اس کا سجع ثانی بہت خوب ہے، یہی ہونا چاہیے۔ مگر ردالجامدین مانعین و مخالفین پر چوٹ پائی جاتی ہے اور نسبت جحود، اس لیے رسالہ حدود مناظرہ و جدول میں داخل ہو جائے گا اور یہ مقصود نہیں۔ پس اس کو کسی دوسرے

قافیے سے بدل دیجیے ۔ مثلاً "الشاہد" یا "الشواہد" یا "الفوائد" یا "جامع الشواہد" آخری نام بہت پامال ہو چکا ہے ۔ حتیٰ کہ "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد" تک موجود ہے ۔ یہ خوب ہو گا کہ وہاں اخراج وہابیین تک کی کوشش اور یہاں دخول مشرکین تک کی توسیع (۵) ۔

فنحن بوادو العذول بواد

بہ ہر حال کوئی اور قافیہ تجویز کریں اور وہی لوح پر درج ہو ۔

پہلے خیال تھا کہ نماز جنازہ غائب والے حصے کو بھیج دوں گا کہ رسالے کے آخر میں درج کر دیا جائے، لیکن جب ستر تک صفحات پہنچ چکے تو اب مزید اضافہ خوب نہیں، اس کے اختتام کے بعد "معارف" میں نکل جائے گا ۔

اجرت طباعت وغیرہ کے متعلق آپ نے کچھ نہیں لکھا ۔ یقیناً آپ کا میرا معاملہ اب اس حد سے گزر چکا ہے کہ اجرت و مخارج کے معاملے کی نسبت کوئی تردد ہو اور اس بارے میں یقین کامل رکھتا ہوں، مگر یہ ظاہر ہے کہ رسالہ چھپے گا اور پریس کا وقت و مال خرچ ہو گا ۔ پریس آپ کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ دارالمصنفین کا ہے ۔ پس روپے کی ضرورت ناگزیر ہے ۔ ازراہِ عنایت مقدار لکھ دیں تاکہ مرسل خدمت ہو ۔

"معارف" کا پچھلا نمبر سلطان صاحب کے پاس دیکھا تھا، میرے پاس نہیں آیا ۔

ابوالکلام

(جون ۱۹۱۹ء)

صدیقی العزیز الاجل ! السلام علیکم

"معارف" پہنچا آپ کے پریس کے خوشنویس کا خط نسخ بہت اچھا ہے اور کیا چاہیے ۔ البتہ کتابت کی غلطیاں جابجا رہ گئی ہیں ۔ علی الخصوص عربی عبارتوں میں اور یہ

نقص دراصل میرے خط کی خرابی کا ہے کہ کاتب بہ آسانی پڑھ نہیں سکتا۔ ہمیشہ تجربہ ہو چکا ہے۔آپ کے اور مولوی عبدالسلام کے مضامین میں کتابت کی غلطیاں بالکل نہیں ہوتیں، اس لیے کہ مسودہ واضح وخوش خط ہوتا ہے۔

البتہ ایک غلطی اہم ہے، اس کی تصحیح ناگزیر ہے۔ کاتب نے ص ۵۸۲ نمبر ۹ میں کئی سطریں درمیان سے چھوڑ دی ہیں اور چوں کہ پورا حصہ منقول عبارت کا ہے اس لیے بہ ظاہر عبارت میں کوئی بے ربطی نظر نہیں آتی۔ اس لیے مصحح کی نظر نہیں پڑی۔

نمبر ۹ میں پہلے "اشباہ والنظائر" کی عبارت نقل کی تھی۔ پھر "ہدایہ" کی اور "ہدایہ" کی عبارت کے ترجمہ کے بعد "تکملہ فتح القدیر" قاضی زادہ کی۔ لیکن کاتب نے "اشباہ والنظائر" کی عبارت کے بعد اس کا ترجمہ اور "ہدایہ" کا حوالہ اور پھر عبارت "ہدایہ" کا ابتدائی حصہ بالکل چھوڑ دیا ہے اور عبارت "ہدایہ" کے ایک ٹکڑے کو "اشباہ والنظائر" سے ملا کر نقل کر دیا ہے۔ اس لیے بعد کی جس قدر بحث متعلق "ہدایہ" تھی وہ اشباہ سے متعلق ہو گئی۔ لوگ حیران ہوں گے کہ "ہدایہ" کا نام بھی نہیں آیا، اس کی عبارت کی شرح و اشکال کی کیا بحث ہے اور قاضی زادہ نے اس کی شرح کب لکھی؟ پس بہ راہِ عنایت اصل مسودے کا وہ موقعہ ملاحظہ کریں۔ غالباً اصل یوں ہے کہ عبارت اشباہ کی ولو کان المسجد الحرام پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اشباہ کے صفحہ و کتابت کا حوالہ ہوگا اور غالباً ترجمہ بھی، پھر کوئی اور حوالہ ہوگا یا صرف یہ ہوگا کہ ہدایہ میں ہے:

"ولا باس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام وقال الشافعی یکرہ ذالک"

اس کے بعد تھا "(الی ان قال) ولنا ماروی"۔ کاتب نے درمیان کا تمام حصہ چھوڑ کر (الی ان قال) ولنا الخ کو عبارت "اشباہ" سے ملا کر نقل کر دیا اور اس طرح بعد کا ترجمہ و بحث "اشباہ" سے متعلق ہو گیا۔

بہ ہر حال آیندہ نمبر "معارف" میں اس کی تصحیح کر دیں اور حوالہ صفحہ و سطر دے کر چھوٹی ہوئی عبارت نقل کر دیں اور اگر رسالے کی شکل میں یہ فارم مزید چھپ چکے ہوں تو کسی پرچہ پر الگ اتنا حصہ چھاپ کر نمبر ۹ والے صفحہ کے ساتھ رکھ دیا جائے (۶)۔

....

ابو الکلام

رانچی (بہار)، ۱۰۔ جولائی ۱۹۱۹۔

صدیقی الاعزا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معلوم نہیں آپ اعظم گڑھ میں ہیں یا وطن میں۔ رسالے کی نسبت بھی معلوم نہیں ہوا کہ اس کی اشاعت میں کیوں تاخیر ہوئی؟

امید ہے کہ بخیر و عافیت ہوں گے۔

ابو الکلام

رانچی (بہار)، اگست یا ستمبر ۱۹۱۹۔

صدیقی العزیزا السلام علیکم

عرصے سے آپ خاموش ہیں۔ "معارف" کا جدید اہتمام دیکھ کر جی نہایت خوش ہوتا ہے۔ آپ کے پریس سے "جامع الشواہد" کا بل اب تک نہیں ملا۔ برابر انتظار رہا۔ بہ راہِ عنایت بھجوا دیجیے۔

....

ابو الکلام

رانچی (بہار)، ۲۔ جنوری ۱۹۲۰ء

صدیقی العزیز! السلام علیکم

....

آج باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ "جامع الشواہد" کا خرچہ ۔ طبع اب تک انجمن سے نہیں گیا۔ گویا معاملہ آپ سے متعلق نہیں ۔ لیکن اس تاخیر کے لیے اپنا افسوس اور لاعلمی ظاہر کرتا ہوں ۔ ان سے کہہ دیا ہے کہ فوراً بھیج دیں ۔

....

ابوالکلام

حواشی:

(۱) نمبر نکالے نہ گئے ۔ "معارف" میں یہ دستور باقی رہے اور یقیناً فصلوں کے مقابلے میں نمبری بہتر تھے ۔

(۲) یہ اس مضمون کا ذکر ہے جو "مساجد اور غیر مسلم" کے عنوان سے نصف معارف کے مئی نمبر میں اور نصف جون نمبر میں شائع ہوا تھا ۔

(۳) یہ یقیناً "مساجد اور غیر مسلم" کا ذکر ہے ۔

(۴) یہ تصحیح مضمون میں ہو گئی تھی ۔

(۵) آخر "جامع الشواہد" ہی نام رہا ۔

(۶) یہ پوری تفصیل اس مضمون کے متعلق ہے جو "مساجد اور غیر مسلم" کے عنوان سے "معارف" کے دو نمبروں میں شائع ہوا (مئی ۱۹۱۹ء و جون ۱۹۱۹ء) ۔ یہ مضمون مولانا نے ۲۴۔ رجب ۱۳۲۷ھ کو مکمل کیا تھا (۲۵۔ اپریل ۱۹۱۹ء) ۔ جیسا کہ مضمون کے آخر میں مرقوم ہے، پھر "جامع الشواہد" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو گیا تھا ۔ جس تصحیح کے لیے مکتوب میں تاکید کی گئی، وہ مضمون کے آخر میں، جون ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں کر دی گئی تھی ۔

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر مجالس اور صحبتیں مسجد نبوی ہی مین منعقد ہوتی تھیں۔ بسا اوقات غیر مسلم آتے تھے، اور بنا کسی روک ٹوک کے ان صحبتون مین شریک ہوتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک مسجد سے متصل تھا۔ یہ لوگ آپکی خدمت مین حاضر ہوتے تھے لیکن بعض اوقات مسجد ہی مین آپکا انتظار کرنا پڑتا تھا، اور ان لوگون مین غیر مسلم بھی ہوتے تھے۔ یہ امور ضمناً متعدد روایات سے مستنبط ہوتے ہین۔ آپکے بعض یہودی قرضدارون نے مسجد مین آکر تقاضا کیا ہے۔ اور آپنے اپنے حلم وخلق کی وجہ سے انکے حق طلب و تقاضا کو تسلیم فرمایا ہے، غیر مسلم اقوام سے پولیٹکل علایق، سفراء کا ایاب و ذہاب، معاہدہ مواثیق کی مجالس شوریٰ، عرائض و شکایات مسلمین و غیر مسلمین، یہود مدینہ و مشرکین اطراف وجوانب سے پولیٹکل تعلقات کی گفت و شنید، یہ اور اسی طرح کے تمام معاملات مسجد نبوی ہی مین طے پاتے تھے۔ خود مسلمانون کو آپنے مسجد کے متعلق متعدد معاملات مین تنبیہ فرمائی اور انہی سے احکام احترام و حقوق مسجد مستنبط ہوئے، مثلاً اکل بصل و ثوم و منع انشاد ضالہ و منع بیع و شراء وغیرہ ذلک۔ مگر ایک واقعہ بھی ایسا موجود نہین جس سے ثابت کیا جاسکے کہ آپ نے کسی غیر مسلم کو صرف اس بنا پر مسجد مین داخل ہونے سے روک دیا ہو کہ وہ مسلمان نہین ہے۔ آپکے زمانہ مین اور آپ کے بعد خلیفہ دوم تک تمام سرکاری عمارتون کا کام مسجد نبوی ہی دیتی تھی، اور غیر مسلم اقوام و قبائل کے جسقدر وفد (ڈیپوٹیشن) اور سفراء آتے تھے وہ یا تو مسجد مین ٹھرائے جاتے تھے، یا شہر کے مسلمانون کے گھرون مین۔ تاریخ اسلام مین سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری مہمانسرا بنائی جیسا کہ مقریزی اور عسکری نے لکھا ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات مین تصریح کی ہے کہ مدینہ کی مہمانسرا ۱۷ھ ہجری مین حضرت عمر رض کے حکم سے تعمیر ہوئی۔ اس سے پہلے نہ تھی۔

فصل

ازانجملہ وفد نجران کا واقعہ ہے جو صحاح وسیرۃ مین بتفصیل موجود ہے اور جسکی نسبت سورۂ آل عمران

مصنف کا اصلاح و ترمیم شدہ مسودہ برائے اشاعت ثانی کا ایک صفحہ

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

الف : ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کے قلم سے ترتیب و تدوین و تالیفات

امام الہند ـــ ابتدائی زندگی	(نایاب)
ابوالکلام و عبدالماجد ـــ ادبی معرکہ	=/۵۰ روپے
اردو کا ادیب اعظم ـــ از مولانا عبدالماجد	=/۳۵ روپے
اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ	=/۵۰ روپے
ارمغان آزاد (مجموعہ ۔ علام و ابتدائی مضامین)	=/۹۰ روپے
افادات آزاد (مذہبی و ادبی)	=/۴۲ روپے
البیرونی اور جغرافیہ ۔ عالم (مقدمہ ، تخریج اصطلاحات و اضافہ جات)	(نایاب)
انڈیا ونس فریڈم (تالیف حواشی و مقدمہ)	=/۱۵۰ روپے
پیغام ، کلکتہ (۱۹۲۱ء)	=/۱۵۰ روپے
تحریک نظم جماعت مولانا ابوالکلام آزاد	(نایاب)
جامع الشواہد ۔۔۔ فی دخول غیر المسلم فی المساجد	=/۱۰۰ روپے
لسان الصدق ، کلکتہ (۵-۱۹۰۳ء)	=/۲۰۰ روپے
مکاتیب ابوالکلام آزاد	(نایاب)
مولانا ابوالکلام آزاد ـــ ایک مطالعہ	=/۴۰ روپے
مولانا ابوالکلام آزاد ـــ ایک شخصیت ، ایک مطالعہ	(نایاب)
مولانا ابوالکلام آزاد ، سیرت اور کارنامے ، از مولانا سعید احمد اکبر آبادی	=/۳۵ روپے
مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت	=/۴۲ روپے
مولانا ابوالکلام آزاد ـــ بہ حیثیت مفسر و محدث	(نایاب)

ب : دیگر اہل علم کے قلم سے

آسپیکٹس آف ابوالکلام آزاد (انگریزی)	عبداللہ بٹ	=/۶۰ روپے
ابوالکلام آزاد	عبداللہ بٹ	=/۵۰ روپے
امام الہند ۔ مولانا آزاد	مولانا امداد صابری	=/۱۰۰ روپے
ایک علمی خاندان	سید شفقت رضوی	=/۹۰ روپے
مولانا ابوالکلام آزاد ـــ آثار و افکار	محمود واجد ہاشمی	=/۴۵ روپے
مولانا ابوالکلام آزاد ـــ ایک شخصی مطالعہ	ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی	=/۳۵ روپے
میر کارواں مولانا ابوالکلام آزاد	ڈاکٹر ریاض الرحمن خان شیروانی	=/۵۰ روپے
مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے ناقد	ایم اے شاہد	(نایاب)

دیگر شخصیات و موضوعات

ڈاکٹر ابو سلمان کے قلم سے ترتیب و تالیف و تدوین کے کام:

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، سیرت اور شخصیت (سندھی زبان میں)		۹۰/= روپے
انجمن خدام کعبہ ۔۔۔ تاریخ، مقاصد اور خدمات		۳۰/= روپے
برصغیر پاک و ہند کی شرعی حیثیت	مولانا سعید احمد اکبر آبادی و مولانا محمد میاں	۶۰/= روپے
پانچ مقالے		۴۵/= روپے
تحریک ہجرت (کابل ۱۹۲۰ء)	ڈاکٹر معین الدین عقیل	۶۰/= روپے
خطوط سلیمانی	علامہ سید سلیمان ندوی	۹۰/= روپے
خطوط ماجدی	مولانا عبد الماجد دریابادی	۸۰/= روپے
سردار محمد امین خان کھوسو ۔۔۔ ایک مطالعہ		۱۴۰/= روپے
شاہ عبد العزیز دہلوی کا فتویٰ دار الحرب ۔۔۔ تاریخی و سیاسی اہمیت		۱۵/= روپے
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ۔۔۔ حیات و سیرت		۳۰/= روپے
شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ۔۔۔ ایک سیاسی مطالعہ		۱۰۰/= روپے
شیخ الہند مولانا محمود حسن ۔۔۔ ایک سیاسی مطالعہ		۹۰/= روپے
علامہ اقبال اور مولانا محمد علی		۵۰/= روپے
قطعات تاریخ وفات اہل علم	شان الحق حقی	۱۵/= روپے
قواعد صرف و نحو زبان اردو	سر سید احمد خان	۳۰/= روپے
کلیات (نظم)	شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی	۶۰/= روپے
مقالات مولانا عبید اللہ سندھی نمبر (۱۹۹۴ء)		۹۰/= روپے
مکتوبات رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر		۶۰/= روپے
مولانا احتشام الحق تھانوی کی آپ بیتی		۱۵۰/= روپے
مولانا دین محمد وفائی ۔۔۔ ایک مطالعہ		(نایاب)
مولانا عبید اللہ سندھی ۔۔۔ افکار و خدمات	مولانا دین محمد وفائی	۷۰/= روپے
مولانا عبید اللہ سندھی کا انقلابی منصوبہ و سوراجی پروگرام		۸۰/= روپے
مولانا عبید اللہ سندھی ۔۔۔ ایک شخص سونے جیسا، محمد امین خان کھوسو		۶۰/= روپے
امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، "الولی" حیدرآباد (سندھ) کا خصوصی نمبر ۱۹۹۴ء		۱۵/= روپے
مولانا دین محمد وفائی، "الولی" حیدرآباد (سندھ) کا خصوصی نمبر ۱۹۹۱ء		۱۰/= روپے

لسان الصدق

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک
نمونہ کے پرچے کیلئے
۲ کا ٹکٹ آنا چاہیے

ماہوار رسالہ

ایڈیٹر۔ ابوالکلام آزاد دہلوی

تمام خط و کتابت و ارسال زر
ایڈیٹر کے نام پر اسی پتہ سے
[illegible]

دارالسلطنت کلکتہ کا ایک علمی ماہوار رسالہ

(نومبر ۱۹۰۳ء۔ تا مئی ۱۹۰۵ء)

کلکتہ سے شائع ہونے والا علمی، ادبی، تنقیدی اور معاشرتی اصلاح کا داعی

ایک تاریخی بازیافت کی مکمل عکسی اشاعت

ادب و تنقید کے شائقین کے لیے ارمغان علمی

اور

مولانا آزاد کی زندگی، ادب و فن اور صحافت کے محققین کے لیے ایک بنیادی حوالہ

مرتب و مقدمہ نگار

ڈاکٹر ابو سلمان سندھی (شاہجہان پوری)

ناشر

مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان

علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۷۵۸۰۰